باب 4

مرکزی اسلامی ممالک
(THE CENTRAL ISLAMIC LANDS)

آج جب ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں تو اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں ایک ارب سے زائد مسلمان آباد ہیں۔ یہ مختلف حکومتوں کے شہری ہیں، الگ الگ زبانیں بولتے ہیں، ان کے لباس ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وہ جن طریقوں سے مسلمان بنے وہ بھی مختلف تھے اور اسی طرح سے وہ حالات بھی جن کی وجہ سے انھوں نے جداگانہ طریقے اپنائے۔ لیکن پھر بھی اسلامی امت کی جڑیں ایک مشترکہ ماضی میں پیوست ہیں جس کی ابتداء تقریباً 1400 برس پہلے جزیرۂ عرب میں ہوئی۔ اس باب میں ہم طلوع اسلام اور اس کی مصر سے افغانستان تک وسیع علاقے پر مشتمل اشاعت جو 600سے 1200تک اسلامی تہذیب کا اہم علاقہ تھا، اس کے بارے میں پڑھیں گے۔ ان صدیوں میں اسلامی سماج نے بہت سے سیاسی اور تہذیبی نمونے پیش کئے۔ اسلامی اصطلاح کا استعمال یہاں خالص مذہبی مفہوم میں نہیں بلکہ تاریخی طور پر اسلام سے منسلک پورے سماج اور تہذیب کے لیے کیا گیا ہے۔ اس سماج میں پیش آنے والی تمام چیزیں براہِ راست مذہب سے وجود میں آئی تھیں۔ بلکہ یہ چیزیں ایک ایسے سماج میں وقوع پذیر ہوئی تھیں جس میں سماجی طور پر مسلمان اور ان کے عقائد غالب تسلیم کئے گئے تھے۔ غیر مسلم اگرچہ ماتحت ہی تھے لیکن اس سماج کا لازمی حصہ تھے جیسا کہ یہودی اور عیسائیت میں تھے۔

600 سے 1200 تک کے درمیان کی مرکزی اسلامی ممالک کی تاریخ کے متعلق ہماری جانکاری تواریخ (جو واقعات کو زمانہ کے اعتبار سے بیان کرتی ہے)، نیم تاریخی تحریروں جیسے سیرت، حدیث (نبی کی باتوں اور اعمال کے ریکارڈ) تفسیر (قرآن کی تشریح) پر مبنی ہے۔ وہ مواد جس سے یہ تخلیقی کام وجود میں آئے، اخبار (عینی شواہد پر مبنی واقعات) کے مجموعے تھے۔ جو ایک عرصہ تک زبانی یا کاغذ پر منتقل ہوتے آئے تھے۔ ہر خبر کی صداقت کی جانچ ایک تنقیدی طریقہ سے کی گئی تھی۔ اس تنقیدی طریقہ کے ذریعہ اسناد (منتقلی کی کڑی) کا پتہ لگایا جاتا تھا اور راوی کی صداقت کو جانا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ پوری طرح مستند طریقہ نہیں تھا، لیکن ازمنۂ وسطی کے مسلم مؤرخین معلومات کے انتخاب اور خبر دینے والے راویوں کی صداقت کو سمجھنے میں دنیا کے دوسرے حصوں میں موجود اپنے ہم عصروں سے زیادہ محتاط تھے۔ نزاعی مسائل میں وہ ایک ہی واقعہ کے مختلف بیانات کو اسی طرح نقل کر دیتے تھے جیسا وہ اپنے مصادر میں پاتے تھے اور فیصلہ کرنے کا کام قارئین پر چھوڑ دیتے تھے۔ ان واقعات کا بیان جو ان سے قریب کے زمانے میں پیش آئے وہ منظم اور تجزیاتی زیادہ، اخبارات کا مجموعہ کم ہے۔ زیادہ تر تواریخ اور نیم تاریخی تحریریں عربی میں ہیں۔ ان

© NCERT not to be republished

* ارامی زبان عبرانی اور عربی سے وابستہ ہے۔اس کا استعمال اشوک کے کتبوں میں بھی ہوا ہے۔

میں سب سے بہترین تالیف تاریخ طبری (م 923) ہے، جس کا انگریزی میں ترجمہ 38 جلدوں میں ہوا ہے۔ فارسی تواریخ کم ہیں مگر ان میں ایران اور وسط ایشیا کے متعلق تفصیلی بیانات ہیں۔ سریانی (ایک ارامی لہجہ*) زبان میں لکھی ہوئی عیسائی تواریخ چند ہیں مگر وہ ابتدائے اسلام کی تاریخ پر دلچسپ روشنی ڈالتی ہیں۔ تواریخ کے علاوہ ہمارے پاس قانونی نصوص و مواد، جغرافیائی مواد، سفرنامے اور ادبی تحریریں جیسے کہانیاں اور اشعار ہیں۔

دستاویزی ثبوت (نامکمل تحریریں جیسے سرکاری احکام یا ذاتی خط و کتابت) تاریخ نویسی کے لیے سب سے زیادہ اہم ہیں۔ کیونکہ عملاً یہ واقعات اور شخصیات کا ذکر نہیں کرتے ہیں۔ یہ تقریباً پورا کا پورا یونانی اور عربی پیپروں (Papyri) (انتظامی تاریخ کے لیے بہترین) اور گنیزا (Geniza) ریکارڈوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ آثارِ قدیمہ (صحرائی محلوں میں کی گئی کھدائی کے ذریعہ)، علم سکوکات (سکوں کے مطالعہ کا علم) اپی گرافی (علم کتبات) کے کچھ شواہد معاشی تاریخ، فنی تاریخ، ناموں اور تاریخوں کے تعین کے لیے اہم مصادر ہیں۔

اسلام کی باضابطہ تاریخ لکھنے کی شروعات انیسویں صدی عیسوی میں جرمنی اور ہالینڈ کی یونیورسٹیوں کے پروفیسروں کے ذریعہ ہوئی۔ مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں استعماری دلچسپیوں نے فرانس اور برطانیہ کے محققین کو اسلام کا مطالعہ کرنے کے لیے ابھارا۔ عیسائی راہبوں نے بھی اسلامی کی تاریخ کے مطالعہ پر کافی توجہ دی اور کچھ بہترین کارنامے انجام دئے۔ اگرچہ ان کا اصل مقصد اسلام کا عیسائیت سے موازنہ کرنا تھا۔ یہ علماء جنھیں مستشرقین کہا جاتا ہے، اپنے عربی اور فارسی اور اصلی مواد کی تنقیدی تجزیہ نگاری کے لیے مشہور ہیں۔ ہنگری ایک کے یہودی اگناز گولڈز ہیر (Ignaz Goldziher) جس نے قاہرہ اسلامی کالج (الازہر) میں تعلیم حاصل کی تھی اور جو جرمنی زبان میں اسلامی قانون اور عقائد کے متعلق مطالعہ کو نئی سمت دینے والا ثابت ہوا، بیسویں صدی کے اسلامی مورخین نے کافی حد تک مستشرقین کے طریقہ کار کو اپنایا ہے۔ جنھوں نے نئے موضوعات کو شامل کرکے اور متعلقہ مضامین جیسے معاشیات، علم انسانیات (Anthropology) اور علم شماریات (Statistics) کا استعمال کرکے اسلامی تاریخ کے دائرے کو وسیع کیا جس نے مستشرقین کی تحقیقات کے بہت سے پہلوؤں کی وضاحت کی۔ اسلام کی تاریخ نویسی اس بات کی ایک عمدہ مثال ہے کہ کیسے مذہب کا مطالعہ تاریخ کے جدید طریق کار کے مطابق کیا جاسکتا ہے، جو ان لوگوں کے عقائد اور رسم و رواج کو نہ مانتے ہوں، جن کے بارے میں وہ مطالعہ کررہے ہیں۔

عرب میں اسلام کا آغاز: عقیدہ امت اور سیاست

632-612 کے درمیان پیغمبر حضرت محمدؐ نے واحد معبود، اللہ کی عبادت اور ایمان والوں کی واحد جماعت (امت) کا رکن بننے کی دعوت دی۔ یہ اسلام کی بنیاد تھی۔ حضرت محمدؐ زبان و تہذیب سے عرب اور پیشے سے تاجر تھے۔ چھٹی صدی کی عرب تہذیب بڑی حد تک جزیرۂ نما عرب، جنوبی شام اور میسوپوٹامیہ کے علاقوں پر محیط تھی۔

عرب قبیلوں** میں منقسم تھے۔ ہر قبیلے کی قیادت ایک سردار (شیخ) کرتا تھا جس کا انتخاب کسی حد تک خاندانی نسبت لیکن زیادہ تر اس کی بہادری، دانشمندی اور مروت کی بنا پر ہوتا تھا۔ ہر قبیلے کے اپنے دیوتا یا دیویاں ہوتی تھیں جن کی پوجا عبادت گاہوں میں بتوں (صنم) کے طور پر ہوتی تھی۔ بہت سے عرب خانہ بدوش (بدوی) تھے۔ یہ لوگ اپنے اونٹوں کے چارہ اور غذا (خاص طور پر کھجور) کی تلاش میں صحرا کے خشک علاقوں سے سرسبز علاقوں (نخلستانوں) کی

**قبیلے وہ سماج ہیں جو خونی رشتوں کی بنیاد پر منظّم ہوتے ہیں عرب قبائل خانوادوں کی خیل یا خاندانوں پر مشتمل تھے اور غیر متعلق خاندانوں کے ملنے سے قبیلے اور مضبوط ہوتے تھے۔ عرب افراد (حوالی) قبیلہ کے باثر لوگوں کی سرپرستی میں اس کے ممبر بنتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد بھی حوالی کے ساتھ عربوں کے ذریعہ مساویانہ سلوک نہیں کیا گیا اور وہ الگ مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے۔

© NCERT not to be republished

کی طرف کوچ کرتے تھے۔ کچھ لوگ شہروں میں بس گئے تھے اور تجارت یا کھیتی کرنے لگے تھے۔ حضرت محمدؐ کا اپنا قبیلہ قریش مکّہ میں رہتا تھا۔ اور مرکزی عبادت گاہ، ایک مکعب نما ڈھانچہ (عمارت)، جسے کعبہ کہا جاتا تھا، پر اس کا کنٹرول تھا جس میں بت رکھے ہوئے تھے اور مکہ کے باہر کے قبیلے بھی کعبہ کو مقدس سمجھتے تھے اور اپنے اپنے بت اس عبادت گاہ میں رکھتے تھے، نیز اس عبادت گاہ کی سالانہ زیارت (حج) کرتے تھے۔ مکہ، شام اور یمن کے تجارتی راستہ کی گزرگاہ (Cross Roads) پر واقع تھا جس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی (دیکھئے نقشہ)۔ مکہ کی عبادت گاہ مقدس (حرم) تھی جہاں تشدد ممنوع (حرام) تھا اور تمام زائرین کو پناہ دی جاتی تھی۔ حج اور تجارت کی وجہ سے خانہ بدوش اور سکونت پذیر قبائل کو ایک دوسرے سے بات چیت کرنے اور اعتقادات ورسم و رواج میں شریک ہونے کا موقع ملتا تھا۔ اگر چہ مشرک عرب کسی حد تک اعلیٰ معبوداللہ سے واقف تھے (شاید اپنے درمیان یہودی اور عیسائی قبائل کے اثر کی وجہ سے)۔ مگر ان کا فوری اور قوی لگاؤ بتوں اور عبادت گاہوں سے زیادہ تھا۔

لگ بھگ 612 کے قریب حضرت محمدؐ نے خود کو اللہ کا رسول اعلان کیا اور کہا کہ خدا نے ان کو حکم دیا کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی تبلیغ کریں۔ عبادت آسان مذہبی رسوم مثلاً روزانہ نماز (صلوٰۃ) اور اخلاقی اصول جیسے خیرات دینے اور چوری سے باز رہنے پر مشتمل تھی۔ حضرت محمدؐ مشترکہ نمونہ کے مذہبی عقائد کے ماننے والے پابند افراد کی ایک جماعت (امت) بنانا چاہتے تھے۔ امت کے افراد اللہ اور دوسرے مذاہب کے افراد کے سامنے مذہب کی موجودگی یا حقیقت کے متعلق گواہی (شہادت) دیتے۔ حضرت محمدؐ کے پیغام کا اثر مکہ کے خصوصاً ان لوگوں پر ہوا جو مذہب اور تجارت کے فوائد سے محروم تھے اور ایک نئی سماجی شناخت کی تلاش میں تھے۔ جن لوگوں نے اس عقیدہ کو قبول کیا وہ مسلمان کہلائے۔ ان سے قیامت کے دن نجات اور دنیا میں رہتے سماج کے وسائل میں حصہ دینے کا وعدہ کیا گیا۔ مسلمانوں کو جلد ہی مکہ کے با اثر لوگوں کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان لوگوں نے اپنے دیوتاؤں کے انکار کی وجہ سے تشدد اختیار کرلیا تھا اور وہ نئے مذہب کو مکہ کی ترقی اور حیثیت کے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔ 622 میں حضرت محمدؐ کو اپنے پیروکاروں کے ہمراہ مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا۔ حضرت محمدؐ کا مکہ سے سفر (ہجرت) اسلام کی تاریخ میں ایک اہم موڑ تھا۔ مدینہ میں آپ کی آمد سے مسلم کیلنڈر کی ابتداء ہوتی ہے۔

مذہب کی بقاء کا انحصار اس مذہب کے ماننے والے سماج کی بقاء پر ہوتا ہے۔ سماج کو اندرونی طور پر مستحکم کرنا اور خارجی خطرات سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ استحکام اور حفاظت سیاسی اداروں مثلاً ریاستوں اور حکومتوں کے متقاضی ہوتے ہیں جو یا تو ماضی سے ورثہ میں ملتی ہیں یا باہر سے مستعار لی جاتی ہیں۔ یا ان کی تشکیل خود سے کی جاتی ہے۔ حضرت محمدؐ نے مدینہ میں ایسا سیاسی انتظام تینوں ذرائع سے پیش کیا جس سے آپ کے متبعین کو مطلوبہ حفاظت ملی اور شہروں کی قدیم خانہ جنگی کا خاتمہ ہوگیا۔ امت کو ایک بڑے سماج میں تبدیل کردیا گیا

تیرھویں صدی کی کتاب عجائب المخلوقات میں جبرئیل فرشتہ کی ایک خیالی تصویر۔
عہد وسطی میں بنی جبرئیل فرشتے کی تصویر جو رسولؐ کو خدا کا پیغام لاتے تھے۔ پہلا لفظ جو یاد کروایا وہ اقرأ تھا۔ قرآن اور اقرأ کا ماخذ ایک ہے۔ اسلامی علم کائنات (Cosmology) کے مطابق دنیا میں تین قسم کی ذی ہوش مخلوق پائی جاتی ہے۔ فرشتے ان میں سے ایک ہیں دیگر دو انسان اور جن ہیں۔

© NCERT not to be republished

اسلامی کیلنڈر

ہجری کیلنڈر کی شروعات حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔ جس کا پہلا سال 622 عیسوی ہے۔ ہجری کیلنڈر کی تاریخ کے بعد حروف AH لکھے جاتے ہیں۔ ہجری 354 دنوں کا قمری سال ہوتا ہے۔ اس میں 29 یا 30 دن کے بارہ مہینے (محرم سے ذی الحجہ) ہوتے ہیں۔ ہر دن غروب آفتاب اور ہر مہینہ ہلال (پہلے دن کا چاند) دیکھنے سے شروع ہوتا ہے۔ ہجری سال شمسی سال سے لگ بھگ 11 دن کم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کوئی بھی اسلامی مذہبی تہوار بشمول رمضان کے روزے، عید اور حج کبھی بھی موسم کے مطابق نہیں ہوتا ہے۔ ہجری کیلنڈر کی تواریخ گریگورین کیلنڈر (Gregorian Calendar) (اس کی شروعات پوپ گریگوری سیزردہم (Pope Gregory XIII) نے 1582 میں کی تھی) کی تاریخوں سے میل کرانے کا کوئی آسان طریقہ نہیں ہے۔ مندرجہ ذیل فارمولے کے ذریعہ اسلامی (ھ H) اور گریگورین عیسائی (c) سالوں کے درمیان کام چلاؤ طریقے سے میل کیا جاسکتا ہے۔

$$(H \times 32/33) + 622 = C$$

$$(C - 622) \times 33/32 = H$$

تا کہ مشرکین اور مدینہ کے یہودیوں کو محمدؐ کی سیاسی قیادت میں شامل کیا جاسکے۔ مذہبی رسوم میں اضافہ کرکے اور ان کو خالص بنا کر (جیسے روزہ) اور اخلاقی اصولوں کے ذریعہ حضرت محمدؐ نے اپنے متبعین کے عقائد کو مضبوط کیا۔ امت کی بقاء کا دارومدار کھیتی اور تجارت مزید برآں زکوٰۃ پر تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے مکہ کے قافلوں اور قریب کے نخلستان پر چھاپے مارے۔ یہ حملے مکہ کے لوگوں کی جانب سے شدید ردعمل اور مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ خراب تعلقات کا سبب بنے۔ مسلسل جنگوں کے بعد مکہ فتح ہوگیا اور محمدؐ کی شہرت ایک مذہبی مبلغ اور سیاسی لیڈر کی حیثیت سے دور دراز تک پھیل گئی۔

اب حضرت محمدؐ نے تبدیلی مذہب کو امت کی رکنیت کے لیے واحد معیار قرار دیا۔ صحرا کے پریشان کن حالات میں عربوں نے قوت اور اتحاد کو سراہا۔ حضرت محمدؐ کی کامیابیوں سے متاثر ہوکر بہت سے قبائل خاص طور پر بدوی اسلام قبول کرکے امت میں شامل ہوگئے۔ حضرت محمدؐ کے حلیفوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ پورے عرب نے اسلام قبول کرلیا۔ مدینہ ظہور پذیر اسلامی حکومت کی انتظامی راجدھانی اور ساتھ ہی مکہ اس کا مذہبی مرکز ہوگیا۔ کعبہ کو بتوں سے پاک کر دیا گیا کیونکہ مسلمانوں کو نماز ادا کرتے

کعبہ میں زائرین، پندرھویں صدی کی ایک ایرانی تصویر۔

وقت اس عبادت گاہ کی طرف رُخ کرنا تھا۔ ایک مختصر مدت میں حضرت محمدؐ عرب کے بڑے حصہ کو نئے عقیدے، نئی امت اور نئی حکومت کے ماتحت متحد کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ ابتدائی اسلامی ریاست گرچہ لمبی مدت تک عرب خاندانوں اور قبیلوں کے وفاق کے طور پر بنی رہی۔

خلافت: توسیع، خانہ جنگی اور فرقوں کا بننا

632 میں حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد کسی کے لیے بھی اسلام کا نیا پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے۔ نتیجتاً حضرت محمدؐ کا سیاسی اقتدار جانشینی کے مقررہ اصول کے بغیر امت کی جانب منتقل ہوگیا۔ اس سے نئی اختراعات و بدعات کے لیے بہت سے مواقع فراہم ہوگئے۔ لیکن یہ مسلمانوں کے درمیان شدید اختلافات کا سبب بھی بنا۔ سب سے اہم اختراع خلافت کے ادارے کا قیام تھا جس میں امت کا قائد (امیر المومنین) نبی کا نائب (خلیفہ) بنا۔ پہلے چار خلیفہ (632-661) نے پیغمبر کے ساتھ اپنے گہرے تعلقات کی وجہ سے اپنی حکومتوں کو صحیح ثابت کر دیا اور آپؐ کے ذریعہ دی گئی عام ہدایت کی روشنی میں آپؐ کے کام کو آگے بڑھایا۔ خلافت کے دو مقصد تھے پہلا امت کی تشکیل دینے والے قبائل پر قابو رکھنا اور دوسرا حکومت کے وسائل میں اضافہ کرنا۔

حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد بہت سے قبائل نے اسلامی ریاست سے اپنا ناطہ توڑ لیا۔ کچھ نے تو اپنے پیغمبر پیش کر دئے تاکہ امت کی طرز پر اپنی جماعتیں بنا سکیں۔ پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ نے ان بغاوتوں کو مسلسل جنگوں کے ذریعہ کچل دیا۔ دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ نے امت کی پالیسی کو توسیع کی طرف منتقل کر دیا۔ خلیفہ کو معلوم تھا کہ

© NCERT not to be republished

نقشہ 1 اسلامک لینڈ

امت کے امور کا انتظام تجارت اور زکوٰۃ کے ذریعہ ہونے والی معمولی آمدنی سے نہیں کیا جاسکتا۔ اس بات کو محسوس کرکے کہ مہم جویانہ جنگی حملوں سے مال غنیمت حاصل کیا جاسکتا ہے، خلیفہ اور ان کے جنگی قائدوں نے مغرب میں بازنطینی سلطنت اور مشرق میں ساسانی سلطنت کے علاقوں کو فتح کرنے کے لئے اپنی قبائلی قوت کو یکجا کیا۔ اپنے عروج کے زمانے میں بازنطینی اور ساسانی سلطنتوں نے بہت بڑے علاقے پر حکومت کی تھی اور اپنے سیاسی اور تجارتی مفاد کے حصول کی خاطر عرب کے اہم وسائل پر قبضہ کر رکھا تھا۔ بازنطینی سلطنت عیسائیت کو فروغ دے رہی تھی اور ساسانی سلطنت زرتشتیت جو ایران کا قدیم مذہب تھا کی سرپرستی کرتی تھی۔ عربوں کے جنگی حملوں کے وقت یہ دونوں سلطنتیں مذہبی تنازعات اور امراء کی بغاوتوں کی وجہ سے کمزور ہوگئی تھیں جس کی وجہ سے عربوں کو ان سلطنتوں کو جنگوں اور معاہدوں کے ذریعہ زیرنگین کرنا آسان ہوگیا تھا۔ تین کامیاب جنگی مہموں (642-637) کے بعد عربوں نے شام، عراق، ایران اور مصر کو مدینہ کے ماتحت کرلیا۔ جنگی حکمت عملی، مذہبی ولولہ اور مخالف کی کمزوری عربوں کی کامیابی میں مددگار ثابت ہوئی۔ مزید جنگی مہمیں وسطی ایشیا پر کنٹرول بڑھانے کے لئے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ نے شروع کیں۔ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد کے دس ہی سالوں کے اندر عرب اسلامی ریاست کا قبضہ دریائے نیل اور دریائے آکسس (Oxus) کے بیچ کے وسیع علاقے پر ہوگیا۔ یہ علاقے آج بھی مسلم حکومتوں کے زیرنگیں ہیں۔

تمام مفتوحہ صوبوں میں خلفاء نے گورنروں (امیروں) اور قبائلی سرداروں (اشراف) کے زیرقیادت ایک نیا انتظامی ڈھانچہ لاگو کیا۔ مرکزی خزانہ (بیت المال) کی آمدنی کا ذریعہ مسلمانوں کی طرف سے دی گئی محصول اور مال غنیمت میں سے ملنے والا حصہ تھا۔ خلیفہ کے فوجی جو زیادہ تر بدو تھے، ریگستان کے کنارے کے فوجی شہروں جیسے کوفہ اور بصرہ میں آباد ہوگئے تاکہ اپنے قدرتی علاقے سے قریب اور خلیفہ کی ماتحتی میں رہیں۔ حکمراں طبقہ اور فوجیوں کو مال غنیمت میں حصہ اور ماہواری تنخواہ (عطا) ملتی تھی۔ غیرمسلم آبادی کو خراج اور جزیہ دے کر اپنے مذہبی رسوم ادا کرنے اور مال و جائیداد رکھنے کا حق حاصل تھا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو ذمی (حکومت کے ذریعہ امان یافتہ) قرار دیا گیا اور ان کو اپنے مذہبی معاملات کی ادائیگی میں کافی حد تک خودمختاری دی گئی تھی۔

سیاسی توسیع اور اتحاد عرب کے قبائلی لوگوں کو آسانی سے نہیں ملتے تھے۔ علاقوں میں توسیع کے ساتھ وسائل اور عہدوں کی تقسیم سے متعلق جھگڑوں کی وجہ سے امت کی وحدت خطرے میں پڑ گئی۔ ابتدائی اسلامی ریاست کا حکمراں طبقہ پورا کا پورا مکہ کے قریش پر مشتمل تھا۔ تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ (656-644) جو قبیلہ قریش سے تھے، نے زیادہ کنٹرول رکھنے کے لئے اپنے آدمیوں کو کافی مقدار میں انتظامیہ میں شامل کرلیا جس کی وجہ سے حکومت میں مکی اور دوسرے قبائل کے ساتھ تنازعات میں مزید اضافہ ہوگیا۔ عراق اور مصر میں مخالفت کے ساتھ ساتھ مدینہ میں مخالفت حضرت عثمانؓ کے قتل کا سبب بنی۔ حضرت عثمانؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ بنائے گئے۔

مکہ کے امراء طبقہ کی نمائندگی کرنے والوں کے خلاف حضرت علیؓ کی دو لڑائیوں کے بعد مسلمانوں کے درمیان خلیج اور زیادہ گہری ہوگئی۔ حضرت علیؓ نے کوفہ میں قیام کیا اور جنگ جمل (657) میں حضرت محمدؐ کی بیوی حضرت عائشہؓ کی قیادت والی فوج کو شکست دی۔ لیکن وہ شام کے گورنر اور حضرت عثمانؓ کے رشتے دار معاویہ والے گروپ کو دبانے میں ناکام رہے۔ صفین (میسوپوٹامیہ) میں حضرت علیؓ کی دوسری جنگ کا خاتمہ عارضی صلح کی صورت میں ہوا

جس کی وجہ سے ان کے متبعین دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے کچھ لوگ ان کے وفادار بنے رہے اور کچھ لوگوں نے ان کا ساتھ (خیمہ) چھوڑ دیا اور یہ لوگ خوارج کے نام سے مشہور ہوئے۔ جلد ہی ایک خارجی نے حضرت علیؓ کو کوفہ کی ایک مسجد میں قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد ان کے متبعین ان کے بیٹے حضرت حسنؓ، امام حسینؑ اور ان کی اولاد کے وفادار رہے۔ 661 میں معاویہ نے خود کو نیا خلیفہ ہونے کا اعلان کیا اور اموی حکومت کی بنیاد رکھی جو 750 تک قائم رہی۔

خانہ جنگی کے بعد ایسا لگتا تھا کہ عربوں کا غلبہ ختم ہوجائے گا۔ اس بات کی بھی علامات موجود تھیں کہ فاتح قبائل اپنی رعایا کی تصنع بھری تہذیب کو اپنانے لگے تھے۔ قبیلہ قریش کے ایک خوشحال خاندان بنوامیہ کی قیادت میں استحکام کا دوسرا مرحلہ واقع ہوا۔

بنوامیہ اور نظم حکومت کی مرکزیت

وسیع علاقوں کی فتوحات کی وجہ سے خلافت جس کا مرکز مدینہ تھا، کا خاتمہ ہوگیا اور اس کی جگہ آمرانہ سیاست نے لے لی۔ بنوامیہ نے بہت سے سیاسی اقدامات کر کے امت کے درمیان اپنی قیادت کو مستحکم کیا۔ پہلے اموی خلیفہ معاویہ نے دارالسلطنت کو دمشق منتقل کر دیا۔ اور بازنطینی سلطنت کے انتظامی اداروں اور درباری رسوم کو اپنا لیا۔ انہوں نے موروثی جانشینی کی ابتداء کی اور اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنانے کے لئے اہم مسلمانوں کو راضی کر لیا۔ ان کے بعد آنے والے خلفاء نے بھی ان نئی چیزوں کو اپنا لیا جس کی وجہ سے بنوامیہ 90 سال تک اور بنوعباس 200 سال تک حکومت پر قابض رہے۔

اب اموی حکومت ایک شاہی حکمرانی تھی اور اس کی اساس براہ راست اسلام پر نہیں بلکہ آئین جہانبانی (Statecraft) اور شامی فوجوں کی وفاداری پر تھی۔ انتظامیہ میں عیسائی مشیر اور زرتشی منشی عمال تھے۔ اگرچہ وہ اسلام سے اپنی حکومت کا جواز لیتے رہے۔ بنوامیہ ہمیشہ اتحاد کی اپیل کرتے تھے اور بغاوتوں کو اسلام کے نام پر دباتے تھے۔ انہوں نے اپنی عربی سماجی شناخت کو بنائے رکھا۔ عبدالملک (685-705) اور اس کے جانشینوں نے اسلامی اور عربی شناخت پر کافی زور دیا۔ عبدالملک کے ذریعہ کئے گئے اقدامات میں عربی کو انتظامی زبان بنانا اور اسلامی سکوں کو متعارف کرنا شامل ہے۔ خلافت میں رائج سونے کے دینار اور چاندی کے درہم اور پہلوی (ایران کی زبان) نقش، آتشی قربان گاہ اور صلیب کی نشانیوں والے بازنطینی اور ایرانی سکوں (دیزیلیس Denarius اور دراچم Drachm) یعنی دینار و درہم کی نقل تھے۔ یہ نشانات ہٹا دئے گئے اور سکوں پر عربی نقش کی جانے لگی۔ یروشلم میں پتھر کا گنبد (Dome of the Rock) بنوا کر عبدالملک نے عرب اسلامی شناخت کے سلسلے میں بہت اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔

پتھر کا گنبد، عبدالملک کے ذریعہ ایک چٹانی ٹیلے پر تعمیر کیا گیا اسلامی فن تعمیر کا ابتدائی بڑا کام ہے۔ یروشلم شہر میں مسلمانوں کی موجودگی کی پہاڑی چوٹی کی طرح تخلیق۔ جہاں پیغمبر حضرت محمدؐ کو رات کا سفر بہشت (معراج) کا روحانی ربط حاصل ہوا۔

© NCERT not to be republished

عبدالملک کی سکوں میں اصلاحات

سکوں کے یہ تین نمونے بازنطینی عہد سے عرب اسلامی عہد کے سکوں میں تبدیلی کو ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرے سکہ پر خلیفہ کو داڑھی، لمبے بال، روایتی عرب چغہ اور تلوار پکڑے دکھایا گیا ہے۔ یہ ایک مسلمان کی پہلی موجود شبیہ ہے۔ یہ عجیب بھی ہے کیونکہ بعد میں آرٹ وحرفت میں زندہ چیزوں کی شبیہ بنانا حرام ہوگیا۔ عبدالملک کے ذریعہ سکوں میں اصلاحات ریاست کے مالیات کی ازسرِنو تنظیم سے وابستہ تھیں۔ ان اصلاحات نے سو سال تک کامیابی کا ثبوت دیا۔ تیسرے نمونے کے مطابق سکے سانچے اور وزن کے اعتبار سے ڈھالے گئے۔

بازنطینی طلائی دینار جس پر شہنشاہ ہرکیولس اور اس کے دو بیٹوں کی شبیہ بنی ہے۔

عبدالملک کے دور کا طلائی دینار جس پر اس کا نام کندہ اور تصویر نقش ہے۔

یہ پوری طرح ایک کتبانی دینار ہے جس پر کلمہ لکھا ہے "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں"۔

© NCERT not to be republished

عباسی انقلاب

بنوامیہ کو مسلم نظم حکومت میں کامیاب مرکزیت کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑی۔ 'دعوت' نامی ایک بہترین منظّم تحریک نے بنوامیہ کا خاتمہ کردیا اور 750 میں ان کی جگہ پر مکہ کے ایک دوسرے خاندان 'بنوعباس' کو لے آئی۔ بنوعباس نے اموی حکومت کو ایک برائی کے طور پر پیش کیا۔ اور وعدہ کیا کہ پیغمبرؐ کے اصلی اسلام کو زندہ کریں گے۔ اس انقلاب سے صرف شاہی خاندان میں تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ سیاسی ڈھانچے اور اسلامی ثقافت میں بھی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

عباسی بغاوت خراسان (مشرقی ایران) کے دور دراز علاقے سے شروع ہوئی جو دمشق سے ایک تیز رفتار گھوڑے سے بیس دن کی مسافت پر واقع ہے۔ خراسان میں عربی اور ایرانی مخلوط آبادی تھی جن کو مختلف وجوہات کی بنیاد پر حرکت میں لایا جاسکتا تھا۔ یہاں پر موجود فوجیوں میں سے اکثر عراقی تھے اور وہ شاہوں کے غلبہ کی وجہ سے ناراض تھے۔ خراسان کے عرب باشندے اموی حکومت سے خفا تھے کیونکہ اموی حکومت نے ان سے ٹیکس میں رعایت اور امتیازات دینے کا وعدہ کیا تھا جسے انہوں نے کبھی پورا نہیں کیا۔ جہاں تک ایرانی مسلمان (موالی) کا تعلق ہے تو وہ نسلی امتیاز رکھنے والے عربوں کے حقارت آمیز رویہ کا شکار تھے اور وہ بنوامیہ کو اقتدار سے باہر کرنے والی کسی بھی مہم میں شریک ہونے کے خواہش مند تھے۔

بنوعباس، پیغمبر حضرت محمدؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد، نے مختلف غیر مطمئن گروہوں کی تائید حاصل کر لی تھی اور اقتدار حاصل کرنے کی اپنی کوششوں کو یہ کہہ کر جواز بخشا کہ پیغمبر حضرت محمدؐ کے گھرانے (اہل بیت) کے ایک مسیحا (مہدی) ان کو ظالم اموی حکومت سے نجات دلائیں گے۔ ان کی فوج کی قیادت ایک ایرانی غلام ابومسلم کر رہا تھا جس نے آخری اموی خلیفہ مروان کو زاب ندی پر واقع جنگ میں شکست دی۔

عباسی دور حکومت میں عربوں کا اثر و رسوخ کم ہوتا گیا جبکہ ایرانی تہذیب کی اہمیت بڑھتی گئی۔ عباسیوں نے قدیم عظیم الشان ایرانی شہر ٹیسیفون (Ctesiphon) کے کھنڈرات کے قریب، بغداد میں اپنا دارالسلطنت قائم کیا۔ عراق اور خراسان کی زیادہ حصہ داری کو یقینی بنانے کے لیے فوج اور نوکر شاہی قبائلی بنیاد پر دوبارہ منظّم کیا گیا۔ عباسی خلفاء نے خلافت کے مذہبی رتبہ اور امور خلافت کو مضبوط کیا۔ نیز اسلامی اداروں اور علماء کی سرپرستی کی۔ لیکن حکومت اور سلطنت کی ضرورتوں کے پیش نظر وہ ریاست کی مرکزیت کی صفت کو برقرار رکھنے پر مجبور تھے۔ انہوں نے بنوامیہ کے ذریعہ شروع کئے گئے شاندار شاہی فن تعمیر اور درباری رسوم کو برقرار رکھا۔ وہ حکومت جسے بادشاہت کے ختم کرنے پر فخر تھا اسے دوبارہ قائم کرنے پر خود کو مجبور پایا۔

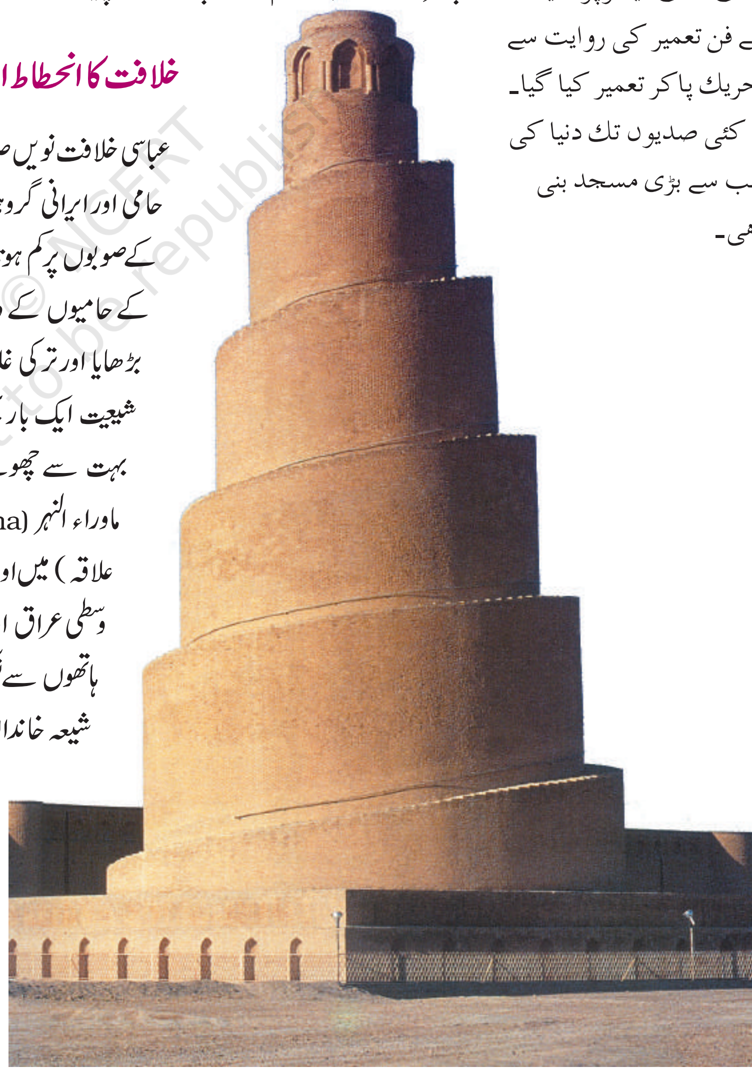

850میں دوسرے عباسی خلیفہ المتوکل کے عہد میں تعمیر سمارا کی ایک جامع مسجد۔ اس کا مینار 50میٹر اونچا اور اینٹوں سے بنا ھے جسے میسوپوٹامیہ کے فن تعمیر کی روایت سے تحریک پاکر تعمیر کیا گیا۔ یہ کئی صدیوں تک دنیا کی سب سے بڑی مسجد بنی رھی۔

خلافت کا انحطاط اور سلطنتوں کا ظہور

عباسی خلافت نویں صدی سے کمزور ہوتی گئی۔ کیونکہ نوکر شاہی اور فوج میں عرب حامی اور ایرانی گروہوں کے درمیان تصادم کی وجہ سے بغداد کا کنٹرول دور دراز کے صوبوں پر کم ہوتا گیا۔ 810میں خلیفہ ہارون رشید کے بیٹوں امین اور مامون کے حامیوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی، جس نے گروہ بندی کو مزید بڑھایا اور ترکی غلام افسروں (مملوک) کے ایک نئے طاقتور گروہ کو جنم دیا۔ شیعیت ایک بار پھر اقتدار کے لیے سنّی راسخ العقیدگی سے مقابلہ کر رہی تھی۔ بہت سے چھوٹے سلاطین خاندان ظہور میں آئے جیسے طاہری اور سامانی ماوراء النہر (Transoxiana) (توران یا آکسس (Oxus) کے پار کا علاقہ) میں اور تلونی (Tulunids) مصر اور شام میں جلد ہی عباسی اقتدار وسطی عراق اور مغربی ایران تک محدود ہوگیا۔ 945میں اور بھی علاقے ہاتھوں سے نکل گئے جب ایران کے کیسپین کے علاقہ (دیلم) کے ایک شیعہ خاندان بویہ نے بغداد پر قبضہ کرلیا۔ بویہ حکمرانوں نے مختلف خطابات اپنائے بشمول قدیم ایران کا خطاب 'شہنشاہ' (بادشاہوں کا بادشاہ) لیکن خلیفہ کا لقب استعمال نہیں کیا۔ انہوں نے عباسی خلیفہ کو اپنی سنّی رعایا کا علامتی حاکم بنائے رکھا۔

خلافت ختم نہ کرنے کا فیصلہ ایک دانشمندانہ فیصلہ تھا۔ کیونکہ دوسرا شاہی شیعہ خاندان فاطمی اسلامی دنیا پر

© NCERT not to be republished

حکومت کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ فاطمی شیعیت کے ذیلی فرقے اسماعیلی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور دعویٰ کرتے تھے کہ وہ پیغمبر حضرت محمدؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ کی نسل سے ہیں۔ اس وجہ سے صرف وہی اسلام کے جائز حکمراں ہیں۔ ان کی بنیاد شمالی افریقہ میں تھی۔ انہوں نے 949 میں مصر فتح کیا اور فاطمی خلافت قائم کی۔ مصر کی پرانی راجدھانی فسطاط کے بجائے ایک نئے شہر قاہرہ کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس شہر کی بنیاد مریخ سیارہ) جسے القاھر بھی کہا جاتا ہے) کے طلوع کے دن پڑی تھی۔ دو حریف سلاطین کے خاندان نے شیعہ منتظمین (Administrators)، شعراء اور علماء کی سرپرستی کی۔

سرگرمی 1
زمانۂ خلافت میں تبدیلی ہوتی گئی دارالحکومت کی جگہوں کی نشاندہی کیجیے۔ بتائیے کہ ان میں سے کون سا دارالحکومت سلطنت کے مرکز میں واقع تھا؟

950 اور 1200 کے درمیان اسلامی سماج واحد سیاسی نظام یا واحد ثقافتی زبان (عربی) کی وجہ سے نہیں بلکہ مشترکہ معاشی اور تہذیبی نمونے کی بنیاد پر متحد تھا۔ سیاسی تقسیم کے درمیان اتحاد کو حکومت اور سماج کو الگ کرکے اعلیٰ اسلامی ثقافت کی زبان فارسی کی شکل میں ترقی کے ذریعہ اور پختہ فکری روایات کے درمیان بات چیت کے ذریعہ قائم رکھا گیا۔ علماء، فنکار اور تاجر مرکزی اسلامی مملکتوں میں آزادانہ گھومتے تھے۔ اور انہوں نے افکار و عادات کی ترویج کو یقینی بنایا۔ ان میں سے کچھ افکار تبدیلی مذہب کی وجہ سے گاؤں کی سطح تک پہنچ گئے۔ اموی اور ابتدائی عباسی عہد میں 10 فی صد سے کم والی مسلم آبادی اب بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ اسلام کی شناخت دوسرے مذاہب سے جدا مذہب اور ثقافتی نظام کی حیثیت سے اور زیادہ واضح ہوگئی جس کی وجہ سے مذہب بدلنا ممکن اور بامعنی ہوگیا۔

دسویں اور گیارہویں صدی میں ترکی سلطنتوں کے ظہور سے عربوں اور ایرانیوں کے ساتھ ایک تیسرے نسلی گروہ کا اضافہ ہوا۔ ترک ترکستان کے وسط ایشیائی صحراؤں (گھاس کے میدان) (ارال سمندر (Aral Sea) کے شمال مشرق سے چین کی سرحد تک) کے خانہ بدوش قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے بتدریج اسلام قبول کیا تھا (ملاحظہ ہو باب 5)۔ یہ ماہر سوار اور جنگجو تھے اور یہ عباسی سامانی اور بویہ انتظامیہ میں غلاموں اور فوجیوں کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے، نیز اپنی وفاداری اور جنگی صلاحیتوں کی وجہ سے اعلیٰ منصب پر فائز ہوتے گئے۔ غزنوی سلطنت کا قیام الپتگین (Alptegin) (961) کے ذریعہ عمل میں آیا اور اس کو محمود غزنوی (998-1030) نے استحکام بخشا۔ بویوں کی طرح غزنوی بھی ایک فوجی بادشاہی حکومت تھی جس کے پاس ترکوں اور ہندوستانیوں (محمود کا ایک جنرل) ہندوستانی تھا جس کا نام تلک تھا) پر مشتمل فوج تھی۔ لیکن ان کی طاقت کا مرکز خراسان اور افغانستان تھا۔ ان کے لئے عباسی خلفاء حریف نہیں بلکہ قانونی جواز کا ذریعہ تھے۔ محمود اس بات سے واقف تھا کہ وہ ایک غلام کا لڑکا ہے اور خاص طور سے خلیفہ سے سلطان کا لقب حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔ خلیفہ شیعہ طاقت سے توازن بنائے رکھنے کے مدنظر سنّی غزنویوں کو حمایت دینے کا خواہش مند تھا۔

سلجوقی ترک توران میں سامانی اور قراخانی (مشرق بعید کے غیر مسلم ترک) فوجوں میں فوجیوں کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ بعد میں دو بھائیوں طغرل اور چاغری بیگ کی قیادت میں انہوں نے اپنا ایک طاقتور گروپ بنالیا۔ محمود غزنوی کی وفات کے بعد کی بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر سلجوقیوں نے 1037 میں خراسان کو فتح کرلیا۔ اور نیشاپور* کو اپنی پہلی راجدھانی بنایا۔ اس کے بعد سلجوقیوں نے اپنی توجہ مغربی ایران اور عراق (جس پر بویہ قابض تھے) کی طرف مبذول کی اور 1055 میں بغداد کو دوبارہ سنی حکومت کے ماتحت لے آئے۔ خلیفہ القائم نے طغرل بیگ کو سلطان کا خطاب دیا۔ یہ ایک ایسا عمل تھا جس نے مذہبی اور سیاسی اقتدار کی علیحدگی کو واضح کردیا۔ پورے خاندان کے ذریعہ

* ایک اہم فارسی اسلامی علم وادب کا مرکز اور عمر خیام کی جائے پیدائش۔

© NCERT not to be republished

حکومت کی قبائلی خصوصیت کے مطابق دونوں سلجوق بھائیوں نے ایک ساتھ مل کر حکومت کی۔ طغرل (متوفی 1064) کا جانشین اس کا بھتیجا الپ ارسلان بنا۔ الپ ارسلان کے دورِ حکومت میں سلجوقی سلطنت کی توسیع اناطولیہ (موجودہ ترکی) تک ہوگئی۔

گیارہویں سے تیرہویں صدی کے درمیان عرب حکومتوں اور یوروپی عیسائیوں کے مابین بہت سے تصادم ہوئے۔ نیچے اس پر بحث کی گئی ہے۔ پھر تیرہویں صدی کی ابتداء میں مسلم دنیا نے اپنے آپ کو ایک بڑی مصیبت میں پایا۔ یہ خطرہ منگولوں سے تھا۔ یہ سکونت پذیر مہذب دنیا پر خانہ بدوشوں کا آخری مگر بہت خطرناک حملہ تھا (ملاحظہ ہو باب 5)۔

ایلیپّو (حلب) ایک ہٹّائٹ اسیرین اور ہیلنسٹک مقام جس کو عربوں نے 636 میں فتح کیا۔ یہ بعد کے ایک ہزار سال تک فتح نہ ہوسکا جب تک صلیبی جنگیں شروع نہ ہو گئیں۔ نصوح المترکی کا سفر نامہ 36-1534۔

صلیبی جنگیں

قرونِ وسطیٰ کے اسلامی سماج میں عیسائیوں کو اہلِ کتاب (کتاب والے لوگ) کہا جاتا تھا۔ کیونکہ ان کے پاس ان کی اپنی الہامی کتاب (عہد نامہ جدید یا انجیل) تھی۔ عیسائیوں کو مسلم حکومتوں میں تاجر، زائر، سفیر اور مسافر کی حیثیت سے داخل ہونے کے لیے امان دی گئی تھی۔ ان میں وہ علاقے بھی شامل تھے جو کبھی بازنطینی سلطنت کے ماتحت رہ چکے تھے۔ خاص طور پر فلسطین کی مقدس سرزمین۔ یروشلم (بیت المقدس) کو عربوں نے 638 میں فتح کرلیا تھا۔ لیکن یہ عیسائیوں کے تصور میں ہمیشہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھائے جانے اور دوبارہ زندہ کئے جانے والے مقام کی حیثیت سے برقرار رہا۔ عیسائی یوروپ میں مسلم دنیا کی تصویر کی تشکیل میں سے ایک اہم سبب تھا۔

مسلم دنیا سے عداوت گیارہویں صدی میں اور واضح ہوگئی جب فارمن اور ہنگری کے باشندوں اور کچھ سلاوَ (Slavs) نے عیسائیت کو قبول کرلیا اور صرف مسلم دنیا واحد دشمن رہ گئی۔ گیارہویں صدی میں مغربی یوروپ کی سماجی اور معاشی تنظیموں یا اداروں میں تبدیلیاں رونما ہوئیں، جس کی وجہ سے عیسائی اور اسلامی دنیا کے مابین دشمنی اور زیادہ بڑھ گئی۔ پادری اور جنگجو طبقہ (ابتدائی دو طبقات ملاحظہ

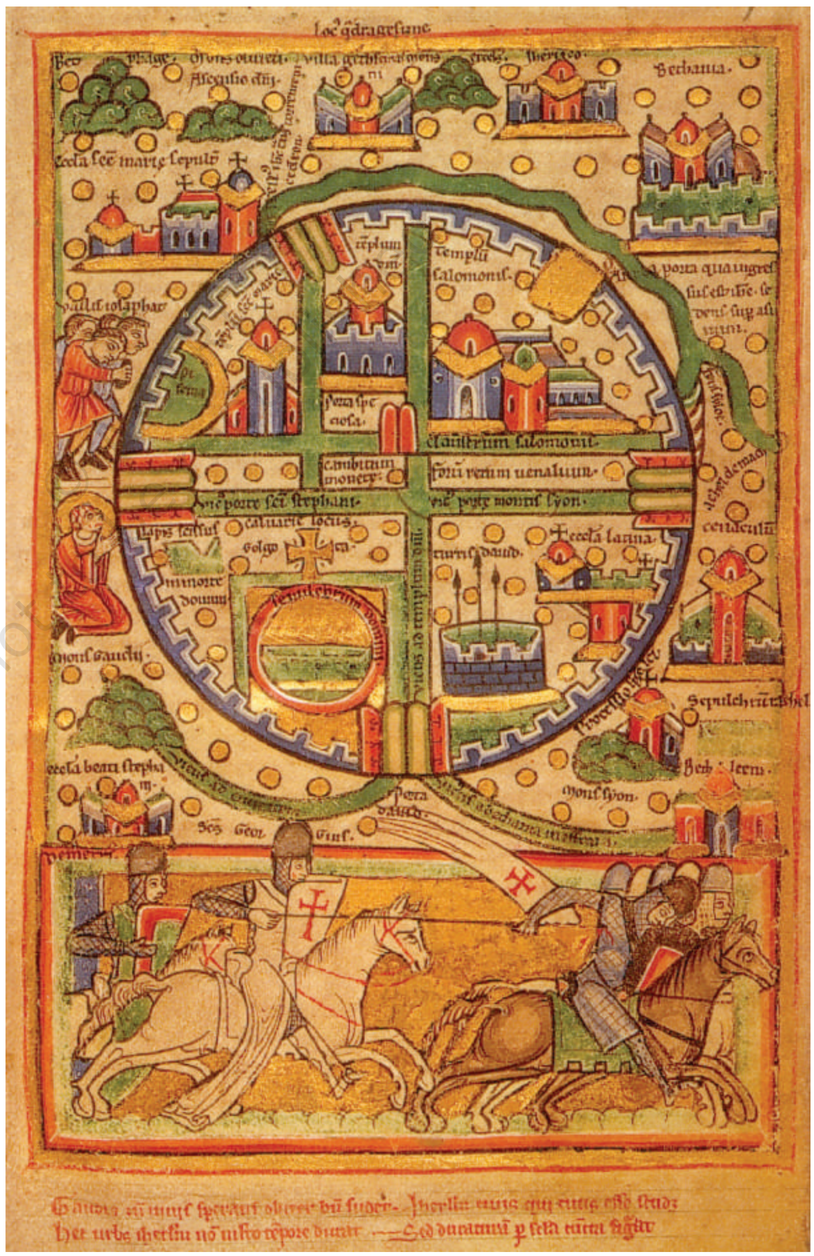

ہو باب 6) سیاسی استحکام زراعت اور تجارت پر منحصر معاشی ترقی کو یقینی بنانے کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والی جاگیری ریاستوں کے درمیان فوجی تصادم کے امکانات اور لوٹ مار پر مبنی معاشی تنظیم کی طرف واپسی پر دی پیس آف گاڈ تحریک (The Peace of God Movement) کے ذریعہ قابو پالیا گیا۔ مخصوص علاقوں میں جو عبادت کی جگہوں سے قریب تھے، مخصوص اوقات میں جو چرچ کے کیلنڈر کے مطابق تھے اور مخصوص غیر محفوظ سماجی گروپ جیسے چرچ کے آدمی اور عام آدمیوں کے خلاف، فوجی تشدد کو ناجائز قرار دے دیا گیا۔ دی پیس آف گاڈ تحریک نے جاگیردارانہ سماج کے جارحانہ رجحانات کو عیسائی دنیا سے اللہ کے ''دشمنوں'' کی طرف موڑ دیا۔ اس نے ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا جس میں کافروں کے خلاف لڑنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ قابل تعریف بھی تھا۔

1092 میں بغداد کے سلجوقی سلطان ملک شاہ کی وفات کے بعد اس کی سلطنت کا انتشار شروع ہوگیا۔ اس طرح بازنطینی شہنشاہ ایلکسیس اول (Alexius I) کو ایشیا مائنر (Asia Minor) اور شام کو دوبارہ حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ پوپ اربن دوم (Pope Urban II) کے لئے یہ عیسائیت کی احیاء کا موقع تھا۔ 1095 میں مقدس سرزمین کو آزاد کرانے کے لیے اللہ کے نام پر جنگ کی دعوت میں پوپ بازنطینی شہنشاہ کے ساتھ ہوگیا۔ 1095 اور 1291 کے درمیان مغربی یوروپین عیسائیوں نے مشرقی بحیرۂ روم لیوانت (Levant) کے ساحلی ہموار علاقوں کے مسلم شہروں کے خلاف جنگ لڑنے کا منصوبہ بنایا اور جنگیں لڑیں۔ بعد میں ان جنگوں کو ''صلیبی جنگوں*'' کا نام دیا گیا۔

* پوپ نے لڑنے کے لیے حلف لینے والوں کو رسمی طور پر صلیب کا نشان دینے کا حکم دیا تھا۔

پہلی صلیبی جنگ (1098-1099) میں فرانس اور اٹلی کے فوجیوں نے شام میں انطاکیہ (Antioch) پر قبضہ کرلیا اور یروشلم پر اپنا دعویٰ کیا۔ ان کی یہ جیت شہر کے مسلمانوں اور یہودیوں کی قتل و غارت گری اپنے ساتھ لائی۔ اس کا تذکرہ مسلمان اور عیسائی تذکرہ نویس دونوں نے کیا ہے۔ مسلم مصنفین عیسائیوں کی آمد کو (جنہیں افرنجی یا فرنگی کہا جاتا تھا) فرنگی حملہ کہتے ہیں۔ جلد ہی فرنگیوں نے شام۔ فلسطین کے علاقے میں چار صلیبی ریاستیں قائم کرلیں۔ مجموعی طور پر یہ علاقے آؤٹ ریمر (Outremer) (ماورائے بحر کا علاقہ) کے نام سے جانا جاتا تھا اور بعد میں صلیبیوں کو ان کی حفاظت و توسیع کا حکم دیا گیا تھا۔

آؤٹ ریمر علاقے کچھ عرصہ تک اچھی طرح باقی رہے۔ لیکن جب 1144 میں ترکوں نے عدیسہ (Edessa) پر قبضہ کرلیا تو پوپ نے دوسری صلیبی جنگ (1145-1149) کے لیے اپیل کی۔ جرمنی اور فرانس کی مشترکہ فوجوں نے دمشق پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اپنے وطن لوٹنے پر مجبور ہوئیں۔ اس کے بعد آؤٹ ریمر کی طاقت میں آہستہ آہستہ کمی آتی گئی۔ صلیبی جوش و خروش آرام دہ زندگی اور عیسائی حکمرانوں کے مابین علاقوں کی خاطر جنگ کی نذر ہوگیا۔ صلاح الدین نے ایک مصری شامی سلطنت تشکیل دے کر عیسائیوں کے خلاف جہاد کی دعوت دی اور 1187 میں ان کو شکست دے دی۔ اس نے یروشلم (بیت المقدس) کو پہلی صلیبی جنگ کے لگ بھگ سو سال بعد دوبارہ حاصل کرلیا۔ اس وقت کے دستاویز بتاتے ہیں کہ صلاح الدین کا عیسائی آبادی کے ساتھ برتاؤ انسانی بنیاد پر تھا اور اس برتاؤ کے برعکس تھا جو عیسائیوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ پہلے کیا تھا۔ اگرچہ اس نے مقدس مرقد چرچ (Church of the Holy Sepulchre) کو عیسائیوں کی تحویل میں دے دیا تھا، لیکن بہت سے چرچ مسجدوں میں تبدیل کردئے گئے تھے۔ اور یروشلم ایک بار پھر مسلم شہر بن گیا تھا۔

شام میں فرنگی

مختلف فرنگی حاکموں (Lords) کے یہاں محکوم مسلم آبادی کے ساتھ برتاؤ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ سب سے پہلے صلیبی جو شام اور فلسطین میں آباد ہوگئے تھے وہ عام طور پر بعد میں آنے والے صلیبیوں سے زیادہ متحمل تھے۔ بارہویں صدی کا ایک شامی مسلم عثمان بن منقض (Usman bin Munqidh) نے اپنی سرگذشت میں اپنے نئے پڑوسیوں کے بارے میں کچھ دلچسپ باتیں لکھی ہیں:

فرنگیوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اس ملک میں آباد ہوگئے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ گھل مل گئے ہیں۔ یہ نئے آنے والوں سے بہترین لیکن وہ قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہیں اور ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

شام (Syria) میں ایک صلیبی قلعہ جو صلیبی جنگوں کے دوران (1110) تعمیر ہوا۔ یہ عربوں کے زیرنگیں علاقوں پر حملہ کرنے کے لیے ایک فوجی صدر کیمپ تھا۔ اس کے مینار (Tower) اور نہریں (Aqueducts) مملوک سلطان بیبرس (Baybars) نے تعمیر کروائیں تھیں جب 1271 میں اس نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔

ایک مثال لیجیے۔ ایک مرتبہ میں نے ایک آدمی کو تجارت کی غرض سے انطاکیہ بھیجا۔ اس وقت چیف تھیوڈور سوفیانوس (Chief Theodore Sopianos) (ایک مشرقی عیسائی) وہاں موجود تھا، میں اور وہ دوست تھے۔ اس وقت وہ انطاکیہ میں ہر طرح سے طاقتور تھا۔ ایک دن اس نے میرے آدمی سے کہا ''میرے فرنگی دوستوں میں سے ایک نے مجھے دعوت پر بلایا ہے۔ میرے ساتھ چلو اور دیکھو کہ وہ کیسے زندگی گزارتے ہیں''۔ میرے آدمی نے مجھے بتایا ''اس لئے میں اس کے ساتھ چلا گیا، ہم پہلی فرنگی جنگ میں آئے ہوئے پرانے فوجداروں (Old Knights) میں سے ایک کے گھر پہنچے۔ وہ حکومت اور فوجی خدمات سے سبکدوش ہو چکا تھا، اور اس کے پاس گذر بسر کے لیے انطاکیہ میں جائیداد تھی، جہاں وہ مقیم تھا۔ اس نے ذائقہ دار اور اچھے کھانوں پر مشتمل بہترین دسترخوان سجایا۔ اس نے دیکھا کہ میں کھانا کھانے میں ہچکچا رہا ہوں، تب اس نے کہا ''مطمئن ہوکر کھاؤ کیونکہ میں فرنگی کھانا نہیں کھاتا ہوں۔ میں کھانا پکانے کے لئے مصری عورتیں رکھتا ہوں اور جو کچھ وہ پکاتی ہیں وہی کھاتا ہوں، سور کا گوشت کبھی بھی میرے گھر نہیں آیا ہے''۔ اس لئے میں نے کھانا کھایا مگر احتیاط کے ساتھ اور ہم وہاں سے رخصت ہوگئے۔

بعد میں بازار میں گھوم رہا تھا، اچانک ایک فرنگی عورت نے مجھے پکڑ لیا اور اپنی زبان میں بڑبڑانے لگی، وہ کیا کہہ رہی تھی میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ فرنگیوں کی ایک بھیڑ میرے گرد جمع ہوگئی۔ مجھے یقین ہوگیا کہ یہ میرا آخری وقت آگیا ہے۔ اچانک وہی فوجدار (Knight) آگیا۔ اس نے مجھے دیکھا اور اس عورت کے پاس گیا اور اس سے پوچھا ''تم اس مسلمان سے کیا چاہتی ہو؟'' اس نے جواب دیا ''اس نے میرے بھائی ہرسو (Hurso) کو قتل کیا ہے''۔ یہ ہرسو افیمیا (Afamiya) کا فوجدار تھا جس کو ہاما (Hama) کی فوج میں سے کسی فوجی نے قتل کر دیا تھا۔ تب اس فوجدار نے چلا کر اس عورت سے کہا ''یہ آدمی برجاسی (بورژوا یعنی متوسط درجے کا شہری) اور ایک تاجر ہے، یہ نہ لڑائی کرتا ہے اور نہ جنگ میں شریک ہوتا ہے''۔ وہ بھیڑ پر بھی چلایا اور بھیڑ تتر بتر ہوگئی۔ تب اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے لے گیا۔ اس طرح اس کھانے کا جو میں نے کھایا تھا اثر یہ تھا کہ اس نے مجھے موت سے بچا لیا''۔

–کتاب الاعتبار

© NCERT not to be republished

عیسائیوں کے ہاتھوں سے شہر کا نکل جانا 1189 میں ایک تیسری صلیبی جنگ کا سبب بنا۔ لیکن صلیبی فلسطین کے کچھ ساحلی شہروں اور عیسائی زائرین کے لیے یروشلم میں آنے جانے کی کھلی اجازت کے سوا کچھ حاصل نہ کر سکے۔ آخر مصر کے مملوک حکمرانوں نے 1291 میں تمام صلیبی عیسائیوں کو فلسطین سے بھگا دیا۔ آہستہ آہستہ یوروپ نے اسلام کے خلاف جنگ میں دلچسپی لینا چھوڑ دیا۔ اور داخلی سیاسی اور تہذیبی ترقی پر اپنی توجہ مرکوز کر لی۔

صلیبی جنگوں نے عیسائی مسلم تعلقات پر دیر تک باقی رہنے والے دو اثرات مرتب کئے۔ پہلا حکومت کا اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ سخت رویہ اپنانا، ایسی جنگ کی تکلیف دہ یادوں اور مخلوط آبادی والے علاقوں میں حفاظت کی ضرورتوں کی وجہ سے تھا۔ دوسرا اٹلی کے تاجر طبقوں پیسا (Pisa)، جینوا (Genoa) اور وینس (Venice) کا مسلم حکومت کی بازیابی کے بعد بھی مغرب اور مشرق کے درمیان تجارت میں کافی اثر رہا۔

معیشت: زراعت، شہرکاری (Urbanisation) اور تجارت

نئے مفتوحہ علاقوں میں رہنے والوں کا بنیادی پیشہ زراعت تھا۔ اسلامی ریاست نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی۔ زمین کے اصل مالک چھوٹے اور بڑے کسان تھے اور بعض حالات میں ریاست ان زمینوں کی مالک ہوتی تھی۔ عراق اور ایران جہاں پر کافی زمینیں تھیں، اس پر کسان کاشتکاری کرتے تھے۔ ساسانی اور اسلامی عہد میں جائیداد کے مالکان ریاست کی طرف سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔ وہ علاقے جو شانی زندگی سے مستقل زراعت کی طرف منتقل ہو گئے تھے۔ وہاں یہ زمین گاؤں کی عام ملکیت تھی۔ آخر میں وہ بڑی بڑی جائیدادیں تھیں جن کو ان کے مالکان نے اسلامی فتوحات کے بعد چھوڑ دیا تھا۔ ان کو ریاست نے لے کر مسلم زعماء کو دے دیا تھا خاص طور پر خلیفہ کی فیملی کے ممبران کو۔

ریاست کا زرعی زمینوں پر پورے طور سے کنٹرول تھا جو فتح مکمل ہونے پر اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ زمین کے لگان سے حاصل کرتی تھی۔ وہ زمین جس کو عربوں نے فتح کیا اور وہ ان کے اصل مالکوں کے قبضہ میں رہی تو ایسی صورت میں ان سے ٹیکس (خراج) لیا گیا اور یہ خراج زراعت کی حالت کے مطابق پیداوار کے آدھے سے لے کر پانچویں حصے تک ہوتا تھا۔ وہ زمین جو مسلمانوں کی یا جس کی زراعت مسلمان کرتے تھے، اس پر پیداوار کا دسواں حصہ (عشر) ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ جب غیر مسلم کم ٹیکس دینے کی غرض سے اسلام قبول کرنے لگے جس سے ریاست کی آمدنی کم ہوگئی تو اس کمی کو دیکھ کر خلفاء نے پہلے تو اس تبدیلیٔ مذہب کی ہمت شکنی اور بعد میں ٹیکس کی یکساں پالیسی اختیار کی۔ دسویں صدی سے آگے ریاست نے اپنے عہدہ داروں کو یہ اختیار دیا کہ وہ اپنی تنخواہ علاقوں کی زرعی محاصل سے لیں جس کو اقطاع (محاصل کی تفویض) کہا گیا۔

اناج کی زراعت: مزدوروں کا کھانا ایک ٹرے میں پیش کرتے ہوئے۔ سوڈو گیلن (Pseudo-Galen's) کی بک آف انٹی ڈوٹس (Book of Antidotes) کا عربی ترجمہ 1199۔ (ڈاکٹر گیلن کی کہانی دیکھئے صفحہ 65)۔

زرعی خوشحالی سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ آئی۔ بہت سارے علاقوں، بالخصوص وادئ نیل میں ریاست نے سینچائی نظام مثلاً باندھوں اور نہروں کا بنوانا اور کنوؤں کا کھدوانا (کنویں میں اکثر و بیشتر پن چرخی (Water Wheel) یا نوریہ (Noria) لگا ہوتا تھا)، یہ تمام چیزیں اچھی فصل کے لیے بہت ضروری تھیں، نے مدد دی۔ اسلامی قانون نے ان لوگوں کو ٹیکس میں رعایت دی جنھوں نے زمینوں کو کاشتکاری کے لائق بنایا۔ اس طرح بڑی تکنیکی تبدیلیوں کی عدم موجودگی کے باوجود کسانوں کی پیش قدمی اور ریاست کے تعاون سے قابل کاشت زمینوں میں اضافہ ہوا اور پیداوار کی مقدار بڑھی۔ بہت ساری نئ فصلیں مثلاً کپاس، سنترہ، کیلا، تربوز، پالک اور بیگن (بدین جان) کی اگائی گئیں۔ اوراس کو یوروپ میں برآمد بھی کیا گیا۔

بصرہ کی طرف جانے والی ایک کشتی اس کا عملہ ہندوستانی اور مسافر عرب ہیں۔ جدید عہد سے پہلے سامان اور مسافروں کی نقل وحمل پانی کے راستے سستی، تیز رفتار اور محفوظ تھی۔ مقامات حریری مولف حریری سے لی گئی تصویر (بارھویں صدی کا ایک قلمی نسخہ)۔ مقامات (مجلس) عربی ادب کی ایک مشہور صنف تھی۔ جس میں ایک قصہ گو ایک دغاباز اور اس کی احمقانہ آوارگی کی کھانیاں بیان کرتا ہے۔

اسلامی تمدن آگے بڑھتا رہا اور اس طرح بہت سارے شہر غیر معمولی طور پر نمودار ہوگئے۔ کئی نئے شہروں کی بنیاد ڈالی گئیں۔ اوراس کا مقصد دراصل ان عرب فوجوں (جند) کو سکونت پذیر کرنا تھا جو انتظامیہ کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ اور اس طرح کے فوجی حفاظت والے شہروں میں، جنھیں مصر کہا جاتا تھا۔ کوفہ اور بصرہ عراق میں اور فسطاط اور قاہرہ مصر میں تھے۔ عباسی خلافت (800) کی راجدھانی کی شکل میں اپنے قیام کے بعد نصف صدی کے اندر بغداد کی آبادی تقریباً ایک ملین ہوگئی۔ ان شہروں کے اردگرد بعض پرانے قصبے مثلاً دمشق، اصفہان اور سمرقند تھے جنھیں ایک نئ زندگی ملی۔ ان شہروں کا سائز اور آبادی، کھانے کے اناج اور خام مال جیسے کپاس اور چینی کی پیداوار میں اضافے کے ساتھ یہ چیزیں ان کی وسعت میں معاون بنتی گئیں۔ اور یہ چیزیں شہری مصنوعات بنانے کے لیے بہت اہم تھیں۔ ایک وسیع نیٹ ورک کی تکمیل نے ایک قصبہ کو دوسرے قصبہ سے جوڑتے ہوئے ایک حلقہ (Circuit) بنایا۔

شہر کے قلب میں دو عمارتی کمپلیکس (Building Complex) تھے جو ثقافتی اور اقتصادی طاقت کی نشاندہی کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک جامع مسجد جو کہ اتنی بڑی تھی کہ اس کو کافی دور سے دیکھا جا سکتا سکتا تھا۔ اور وہ مرکزی بازار (سوق) تھا جہاں پر قطار میں دکانیں، ہوٹل اور صرافوں کے آفس تھے۔ شہر میں منتظمین اعیان (ریاست کی آنکھ)، علماء اور تاجروں کے گھر تھے جو کہ مرکز سے قریب رہتے تھے۔ عام طور سے شہریوں اور فوجیوں کی رہائش گاہیں باہری دائرے میں ہوتی تھیں اور ہر ایک کی اپنی مسجد، گرجا گھر اور یہودی عبادت گاہ (Synagogue) ہوتی تھی۔ اسی طرح ذیلی بازار، حمام اور ایک اہم اجتماع گھر بھی ہوتا تھا۔ اطراف کے علاقوں میں غریب دیہاتیوں کے گھر، ملک کے اردگرد سے لائی گئی مختلف طرح کی سبزیوں اور پھلوں کی مارکیٹ، کارواں سرائے، اور غیر صاف ستھری دکانیں جیسے چمڑے کو صاف کرنے اور جانوروں کو ذبح کرنے کا کام کرنے والوں کی دکانیں تھیں۔ شہر کی دیواروں کے دوسری طرف قبرستان اور سرائے تھیں جہاں پر لوگ شہر کے دروازے بند ہوجانے کے بعد آرام کرتے تھے۔ سبھی شہروں کا نقشہ ایک جیسا نہیں تھا۔ اس کا انحصار قدرتی بری مناظر، سیاسی رسم وروایات اور تاریخی واقعات کے اختلافات پر تھا۔

© NCERT not to be republished

سرگرمی 2
بصرہ کی صبح کا منظر بیان کیجیے

سیاسی اتحاد، اشیاء خوردنی اور آرائش کی ضروریات کی شہری مانگ نے تبادلے کے دائرے (Circuit of Exchange) کو بڑھا دیا۔ جغرافیہ نے مسلم سلطنت کی تائید کی جو تجارت بحر ہند اور بحیرۂ روم کے درمیان تجارتی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ پانچ صدیوں تک عرب اور ایرانی تاجروں نے بحری تجارت پر چین، ہندوستان اور یوروپ کے درمیان اجارہ داری بنائے رکھی۔ یہ تجارت زیادہ تر دو راستوں پر ہوئی۔ اس میں ایک بحر احمر اور دوسرا خلیج فارس تھا۔ زیادہ قیمتی چیزوں کی تجارت دور دراز کے علاقوں کے لیے مناسب تھی مثلاً گرم مسالے، کپڑے، چینی، مٹی کے برتن اور بارود یہ سب پانی کے جہاز کے ذریعہ چین اور ہندوستان سے بحر احمر بندرگاہ عدن اور ایذاب اور اسی طرح سیراف اور بصرہ کی خلیجی بندرگاہوں کی طرف لے جایا جاتا تھا۔ وہاں سے تجارتی مال اونٹوں کے قافلوں کے ذریعہ بغداد، دمشق اور الیپو (حلب) (Aleppo) کے گودام (مخازن دراصل لفظ مگاسن سے مشتق ہے جو خاص اشیا کے ذخیرہ کے مماثل ہے) میں مقامی کھپت یا آگے کی ترسیل کے لیے جمع کردیا جاتا تھا۔ وہ قافلے جو مکہ سے گزرتے تھے۔ ان کی تعداد

کاغذ، گنیزا دستاویزات (Geniza Records) اور تاریخ

مرکزی اسلامی ممالک میں کاغذ کے متعارف ہونے کے بعد لکھنے کا کام بہت تیزی سے پھیلا۔ کاغذ (جو Linen سے بنتا ہے) چین سے آیا، جہاں کاغذ بنانے کا کام بہت پوشیدہ انداز سے ہوتا تھا۔ 751 میں سمرقند کے مسلم گورنر نے چین کے بیس ہزار حملہ آوروں کو قید کرلیا جس میں بعض کاغذ بنانے کا کام بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ پھر آنے والے سو سالوں میں سمرقندی کاغذ ایک اہم برآمد کی چیز بن گیا۔ چونکہ اسلام اجارہ داری کو منع کرتا ہے اس لئے کاغذ اسلامی دنیا کے باقی حصوں میں بھی بنایا جانے لگا۔ دسویں صدی کے وسط تک اس نے ایک حد تک پیپرس (Papyrus) کی جگہ لے لی جو کہ لکھنے کا ایک سامان تھا، جس کو ایک پودے کے اندرونی مادے سے بنایا جاتا تھا اور یہ پودا وادیٔ نیل میں کافی تعداد میں اُگتا تھا۔ کاغذ کی مانگ بڑھ گئی اور عبداللطیف بغداد کے ایک طبیب (قرون وسطیٰ کے طلبہ کے تعلق سے اس کا بیان ملاحظہ ہو) اور جو 1193 سے 1207 میں رہا تھا، لکھتا ہے کہ مصری کسانوں نے اس طرح قبروں کو لوٹا کہ وہ ممی (محفوظ لاش) سے لپٹے ہوئے کاغذ کو حاصل کریں جو کہ کتان سے بنتا تھا تاکہ اس کو کاغذ بنانے والے کارخانے کو فروخت کرسکیں۔

کاغذ کی دستیابی نے تمام طرح کے تجارتی اور ذاتی دستاویزوں کو لکھنے کا کام آسان بنادیا۔ 1896 میں قرون وسطیٰ کے یہودی دستاویزات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ (گنیزا جس کا تلفظ غنیزا ہے) فطاط (پرانا قاہرہ) کے بین ازرا (Ben Ezra) یہودی عبادت گاہ کے ایک سیل بند کمرے سے دریافت کیا گیا ہے۔ خدا کے نام پر مشتمل کسی بھی تحریر کو ضائع نہ کرنے کے یہودی طرز عمل کی بدولت دستاویزات محفوظ ہوگئے۔ گنیزا میں آٹھویں صدی کے وسط تک کے لگ بھگ ڈھائی لاکھ دستاویزات اور ٹکڑے ہیں۔ زیادہ تر مواد دسویں صدی سے لے کر تیرہویں صدی تک کا ہے جو کہ فاطمی، ایوبی اور مملوک کا ابتدائی عہد تھا۔ یہ دستاویزات تاجروں، خاندان اور دوستوں کے درمیان ذاتی خطوط، معاہدے، جہیز کے وعدے، فروخت کے دستاویز، دھوبی خانے (Laundry) کی فہرست اور غیر اہم چیزوں کی معلومات پر مشتمل ہیں۔ زیادہ تر دستاویز یہودی عربی، (عربی کی ایک قسم کی عبارت جو کہ عبرانی رسم الخط ہے) میں لکھے گئے ہیں۔ اور اس کا استعمال عام طور پر یہودی قوم عہد وسطیٰ میں بحیرۂ روم کے علاقے میں کرتی تھی۔ گنیزا دستاویزات شخصی اور اقتصادی تجربات کے سلسلے میں قیمتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بحیرۂ روم اور اسلامی ثقافت کی دقت نظری مہیا کراتے ہیں۔ یہ دستاویزات اس بات کو بھی ظاہر کرتے ہیں کہ عالم اسلام کے عہد وسطیٰ کے تاجروں کی تجارتی مہارت اور طریق کار ان کے یوروپی ہم پیشہ لوگوں سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ گوئٹین (Goitein) نے کئی جلدوں میں گنیزا دستاویزات کی بنیاد پر بحیرۂ روم کی تاریخ لکھی ہے اور امیتو گھوش نے بھی ایک گنیز خط سے تحریک پاکر اپنی کتاب In an Antique Land (ایک قدیم علاقے میں) میں ایک ہندوستانی غلام کی کہانی بیان کی ہے۔

© NCERT not to be republished

تعداد بحری موسم کے زمانے میں حاجیوں کے مل جانے کے سبب بحر ہند میں بڑھ جاتی تھی (مواسیم مانسون سے ماخوذ ہے)۔ بحیرۂ روم جہاں پر ان تجارتی راستوں کی انتہا ہوتی تھی وہاں اسکندریہ کی بندرگاہ سے یوروپ کی طرف برآمد کا کام یہودی تاجر کرتے تھے۔ جن میں سے بعض تو ہندوستان سے بالواسطہ تجارت کرتے تھے جیسا کہ خود انہیں کے لکھے ہوئے خطوط جو گنیزا (Geniza) دستاویز میں محفوظ ہیں، دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن دسویں صدی سے قاہرہ کے تجارت اور طاقت کا مرکز بن جانے اور اٹلی کے تجارتی شہروں سے مشرقی چیزوں کی مانگ بڑھ جانے کی وجہ سے بحر احمر کے راستے کافی اہم ہو گئے تھے۔

مشرقی کنارے کا تذکرہ کریں تو ایرانی تاجروں کے قافلے بغداد سے شاہراہ ریشم (Silk Route) کے ساتھ ساتھ بخارہ اور سمرقند (ماوراالنہر) کے نخلستانی شہروں سے ہوتے ہوئے چین کی طرف جاتے تھے تاکہ وسط ایشیائی اور چینی اشیاء جس میں کاغذ بھی شامل تھا، لائیں۔ ماوراالنہر بھی تجارتی نیٹ ورک کی ایک اہم کڑی تھی۔ سمرقند نے بھی یوروپی چیزیں جس میں عام طور سے پوستین اور سلافی قیدی (لفظ سلاو Slave سے بنا ہے) تھے تبادلے کے لیے تجارتی نیٹ ورک اہم حلقہ قائم کیا جو کہ شمال میں روس اور اسکینڈینیویا (Scandinavia) تک پھیلا ہوا تھا۔ اسلامی سکے جو کہ ان چیزوں کے خریدانے میں دئے جاتے تھے اس کا ذخیرہ وولگا ندی (Volga River) کے کنارے اور بالٹک کے علاقے (Baltic Region) میں دستیاب ہوا ہے۔ ان بازاروں میں ترکی غلام مرد و عورت خلفاء اور سلاطین کے درباروں کے لیے خریدے جاتے تھے۔

مالی نظام (ریاست کی آمدنی اور خرچ) اور مارکیٹ ایکسچینج (Exchange) نے مرکزی اسلامی ممالک میں زر (Money) کی اہمیت کو بڑھا دیا۔ سونے، چاندی اور تانبے (فلوس) کے سکوں کو ڈھال کر ان کو رائج کیا گیا۔ جو سکے اکثر و بیشتر صرافوں کے ذریعہ تھیلوں میں سیل بند ہوتے اور جن کو اشیاء اور خدمات کے بدلے ادا کیا جاتا، سونا افریقہ (سوڈان) سے چاندی وسط ایشیاء (وادی زرفشاں) سے اور قیمتی دھات و سکے یوروپ سے آتے تھے۔ یوروپ نے ان کا استعمال مشرق کے ساتھ اپنی تجارت کرنے میں کیا۔ پیسے کی بڑھتی مانگ کو دیکھ کر لوگ مجبور ہوئے کہ وہ اپنے جمع کئے ہوئے محفوظ سرمائے اور بیکار پڑی دولت کو گردش استعمال میں لائیں۔ تجارت کے پہیے میں نقد کرنسی (سکہ رائج الوقت) اور ادھار دونوں تیل کا کام کرتے ہیں۔ عالم اسلام کا عہد وسطیٰ کی اقتصادی زندگی میں سب سے اہم رول ادائیگی کے بہترین طریقے اور تجارتی تنظیم کو فروغ دینا تھا۔ تاجروں اور ساہوکاروں نے رقم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک فرد سے دوسرے فرد کو بھیجنے کے لیے سق (جس سے لفظ چیک ماخوذ ہے) اور ہنڈی (سُفتاجہ) کا استعمال کیا۔ وسیع پیمانے پر تجارتی کاغذات کے استعمال نے تاجروں کو ہر جگہ رقم لے جانے کی ضرورت سے آزاد کر دیا۔ اور ساتھ ہی ان کے سفر کو محفوظ کر دیا۔ خلیفہ نے بھی تنخواہ دینے یا شاعروں اور گویّوں کو انعام دینے میں چیک (سق) کا استعمال کیا۔

بہر حال یہ تاجروں کا روایتی معمول تھا کہ وہ خاندانی تجارت کو قائم کرتے یا غلاموں کو اپنے معاملات چلانے کی ذمہ داری سونپ دیتے۔ رسمی تجارت کے معاہدات (مضاربہ) بھی عام تھے جس میں غیر دخیل شرکاء (Sleeping Partners) بھی رأس مال (Capital) کو مسافر تاجروں کے حوالے کرتے اور نفع و نقصان کے رضامند حصے میں شریک ہوتے۔ اسلام لوگوں کو دولت کمانے سے نہیں روکتا تھا۔ لوگ ممنوعات کا لحاظ کرتے مثلاً سودی لین دین (رباء) حرام تھا۔ بہر حال لوگوں کو سودخوری (حیال) انوکھا ذریعہ، دھوکہ دہی بتایا گیا، جیسے رقم ایک طرح کے سکے میں ادھار لینا اور ادائیگی دوسرے سکے میں کرنا جبکہ کرنسی تبادلہ پر کمیشن کو پوشیدہ سود کہا گیا ہے (ہنڈی کی ابتدائی شکل)۔

الف لیلہٰ کی بہت سی کہانیاں ہم کو عہد وسطیٰ کی اسلامی سوسائٹی کی تصویر پیش کرتی ہیں جس میں سیاحوں غلاموں، تاجروں اور صرافوں کے کردار نمایاں طور پر اجاگر کئے گئے ہیں۔

علم وثقافت

دوسرے لوگوں سے تعلقات کی بنا پر جیسے ہی مسلمانوں کے مذہبی اور معاشرتی تجربات آگے بڑھے تو امت اس بات پر مجبور ہوئی کہ وہ اپنے بارے میں غور کریں اور ان مسائل کا سامنا کریں جن کا تعلق اللہ اور دنیا سے ہے۔ ایک مسلمان کا انفرادی اور سماجی زندگی میں مثالی طرز عمل کیا ہونا چاہئے؟ پیدا کرنے کا مقصد کیا ہے اور ایک شخص یہ کیسے جانے کہ اللہ اپنی مخلوق سے کیا چاہتا ہے؟ ایک شخص کائنات کی پوشیدہ چیزوں کو کیسے سمجھے گا؟ ان سوالات کے جوابات کو ان مسلم علماء نے دیا جنھوں نے امت کی معاشرتی شناخت کو تقویت دینے اور اپنے فکری تجسّس کو مطمئن کرنے کے لیے مختلف علوم کو حاصل کیا تھا۔

وہ علم جو قرآن اور رسول کے اخلاقی نمونے (سنت) سے حاصل کیا گیا ہو اس کے ذریعہ ہی مذہبی علماء اللہ کی مرضی اور اس دنیا سے متعلق دی گئی ہدایات کو جان سکتے تھے۔ عہد وسطیٰ میں علماء نے اپنے آپ کو قرآن کی تفسیر نویسی اور حضرت محمدؐ کی مستند احادیث کی صداقت کی جانکاری کے لیے وقف کر دیا تھا۔ کچھ لوگ تو قوانین کے ڈھانچے یا شریعت (سیدھا راستہ) کو تیار کرنے میں لگے رہے تاکہ وہ مذہبی رسوم (عبادت) کے ذریعہ مسلمانوں کے اللہ کے ساتھ معاشرتی معاملات سے امت کے باقی لوگوں کے ساتھ رشتے (معاملات) کا نظم وضبط کریں۔ اسلامی قانون شریعت کو تشکیل دینے میں فقہا نے قیاس کو بھی وضع کیا۔ چونکہ قرآن اور حدیث میں ہر چیز واضح نہ تھی اور شہری آبادی سے زندگی مزید پیچیدہ ہوگئی تھی۔ مصادر کی توضیح اور اصول فقہ میں اختلافات کے باعث آٹھویں اور نویں صدی میں چار مذہبی مکتب فکر وجود میں آئے۔ یہ مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی تھے۔ ہر ایک کا نام اس کے رہنما فقیہہ کی طرف نسبت کرنے پر پڑا۔ یہ شریعت سنی جماعت کے اندر پائے جانے والے تمام ممکنہ شرعی مسائل کے لیے رہنما تھی۔ اگر چہ شریعت شخصی مسائل (شادی، طلاق اور وراثت) کے مقابلے تجارتی معاملات یا تعزیری اور دستوری مسائل کے سلسلے میں زیادہ واضح نہ تھی۔

بغداد کے متنصریہ مدرسہ کا صحن جس کا قیام 1233میں ہوا، یہ مدرسہ مکتب کی تعلیم ختم کرنے والے بچوں کے لیے کالج کا بھی درجہ رکھتا تھا۔ یہ مدرسہ مسجد سے منسلک تھا۔ ایک بڑے مدرسہ میں ایک مسجد کا ہونا ضروری تھا۔

© NCERT not to be republished

قرآن

''اگر روئے زمین کے تمام درختوں کو قلم اور تمام سمندروں کو سیاہی بنا لیا جائے
نیز اس میں سات سمندروں کا اور اضافہ کر دیا جائے
پھر بھی اللہ کے نام ختم نہیں ہو سکتے۔''
(القرآن سورہ 31، آیت 27)

نویں صدی میں تحریر قرآن کا ایک صفحہ جس پر سورہ نمبر 18 الکهف (غار) تحریر ہے، جس میں موسیٰ اور افیسس (Ephesus) اور الیکزینڈر (ذوالقرنین) کے سات سونے والوں کا تذکرہ ہے۔ خط کوفی میں تحریر اور لال روشنائی سے اعراب لگائے گئے ہیں تاکہ زبان کا صحیح تلفظ کیا جاسکے۔

قرآن عربی زبان میں ایک الہامی کتاب ہے جس میں 114 سورتیں ہیں، پہلی سورت (الفاتحہ یا آغاز) جو کہ ایک چھوٹی سی دعاء ہے۔ مسلمانوں کی روایت کے مطابق، قرآن کا 610 اور 632 عیسوی کے درمیانی وقفہ میں حضرت محمدؐ پر نزول ہوا۔ یہ الٰہی پیغامات کا مجموعہ ہے۔ اس کا نزول پہلے مکہ میں پھر مدینہ میں ہوا اور اس کی تدوین تقریباً 650 میں ہوئی۔ آج جو قدیم ترین مدون قرآن ہمارے پاس موجود ہے وہ نویں صدی کا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے نامکمل ٹکڑے موجود ہیں۔ لیکن اولین ترین وہ آیتیں ہیں جو ساتویں صدی میں سکوں اور پتھر کے گنبد (Dome of the Rock) پر نقش کی گئی تھیں۔

قرآن کو اسلام کے ابتدائی ایام کی تاریخ کے مصدر کے طور پر استعمال کرنے سے کچھ پریشانی درپیش آتی ہے۔ پہلی یہ کہ یہ ایک صحف رسول ہے ساتھ ایک متن جو مذہبی اختیار عطا کرتا ہے۔ عالم دین عام طور سے اسے ''کلام اللہ'' کہتے ہیں اور اس کے لفظی مفہوم کو لازم گردانتے ہیں۔ لیکن عقلیت پسند علماء نے قرآن کی کافی وسیع تشریح کی ہے۔ 833 میں عباسی خلیفہ مامون نے اس نظریہ کو تھوپنے کی کوشش کی کہ (ایمان کی جانچ یا آزمائش کے لیے) قرآن اللہ کا کلام ہونے کے بجائے اس کی مخلوق ہے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ قرآن اکثر و بیشتر استعارہ کی زبان میں گفتگو کرتا ہے۔ اور ''قدیم عہد نامہ'' (توریت) کے برعکس واقعات کو بیان کرنے کے بجائے اس کی طرف صرف اشارہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد وسطیٰ کے مسلم علماء کو قرآنی آیات کا ادراک کرنا پڑا۔ اور قرآن کے مطالعہ و تفہیم میں مدد دینے کے لیے بہت سی احادیث رقم کی گئیں۔

آخری شکل اختیار کرنے سے پہلے شریعت کومختلف علاقوں کے مروجہ قوانین (عرف) اوراسی طرح سیاسی وسماجی احکام (سیاسی شریعت) سے متعلق حکومت کے قوانین سے ہم آہنگ کرلیا گیا تھا۔ تاہم مروجہ قوانین نے دیہی علاقوں کے ایک بڑے حصّے میں اپنے اثر ورسوخ کو باقی رکھا اور جائیداد میں لڑکیوں کی وراثت جیسے مسائل میں شریعت سے مسلسل پہلوتہی کرتے رہے اور بیشتر حکومتوں میں حاکم یا اس کے عہدہ داران حکومت کی سلامتی کے معاملات کو معمول کے مطابق حل کرتے رہے اور منتخب مسائل کو بھی قاضی (جج) کے حوالے کرتے تھے۔ اس وقت ہر شہر اور ہر محلّہ میں حکومت کی طرف سے ایک قاضی متعین ہوتا تھا جو شریعت کے سخت نافذ کرنے والے کے بجائے نزاعی معاملات میں ایک حاکم یا پنچ تھا۔

1490 کے ایرانی قلمی نسخے میں رقص کرتے ہوئے درویشوں کی ایک تصویر جس میں چار آدمیوں کو رقص کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے ان میں صرف ایک شخص کے ہاتھوں کی پوزیشن صحیح ہے کچھ لوگ حالت حال میں سر گھماتے ہوئے دور کھڑے ہیں۔

عہدوسطیٰ کے اسلام میں مذہبی لوگوں کی ایک جماعت وجوود میں آئی جنہیں صوفیاء کہا جاتا ہے۔ انہوں نے رہبانیت (ترک دنیا) اور تصوف کے ذریعہ اللہ کے بارے میں مزید ذاتی اور گہری معرفت حاصل کی۔ سماج جس قدر مادیت اور لذت میں کھویا ہوا تھا۔ اسی قدر صوفیاء نے زہد (دنیا سے قطع تعلق) اختیار کیا اور صرف خدا پر بھروسہ (توکل) کیا، آٹھویں اور نویں صدی میں عشق خدا اور وحدۃالوجود اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ اور اس کی مخلوق ایک ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی روح اپنے خالق میں حلول کر جاتی ہے اور اللہ سے وحدت صرف اس سے سچے عشق کے ذریعہ ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ رابعہ بصری (متوفی 891) نے اپنے اشعار میں اس عشق کا پرچار کیا ہے۔ بایزیدبسطاسی (متوفی 874) وہ پہلے ایرانی صوفی ہیں جنہوں نے فنافی اللہ (اللہ میں گم ہوجانا) کی اہمیت کی تعلیم دی۔ صوفیاء وجدو عشق اور محبت کے جذبات کو ابھارنے کے لیے سماع (موسیقی) کا استعمال کرتے تھے۔

مذہبی تعلقات، مراتب اور جنس سے قطع نظر تصوف کا دروازہ تمام لوگوں کے لیے کھلا تھا۔ ذوالنون مصری (متوفی 861) جس کا مقبرہ آج بھی اہرام مصر کے قریب دیکھا جاسکتا ہے، نے عباسی خلیفہ متوکل کے سامنے یہ اعلان کیا تھا کہ ''اس نے حقیقی اسلام ایک بوڑھی عورت سے اور حقیقی بہادری ایک آب بردار سے سیکھی۔'' مذہب کو ذاتی زیادہ اور اداراتی کم بنا کر تصوف نے کافی شہرت حاصل کی۔ اور راسخ العقیدہ اسلام کے سامنے ایک چیلنج کھڑا کردیا۔

سائنس اور یونانی فلسفہ سے متاثر ہوکر سائنسدانوں اور مسلم فلسفیوں نے اللہ اور کائنات کا ایک متبادل تصور پیش کیا۔ ساتویں صدی کے دوران حالانکہ پرانی یونانی تہذیب جو رفتہ رفتہ روبہ زوال تھی، اس کے باقیات بازنطینی اور ساسانی سلطنتوں میں پائے جاسکتے تھے۔ اسکندریہ، شام اور میسوپاٹامیہ میں جو کبھی سکندر

کی سلطنت کا ایک حصہ تھا، یہاں کے مدارس میں دیگر موضوعات کے ساتھ یونانی فلسفہ، ریاضیات اور طب کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ اموی اور عباسی خلفاء نے یونانی اور شامی کتابوں کا عیسائی علماء کے ذریعہ عربی میں ترجمہ کروایا تھا۔ یہاں تک کہ مامون کے عہد میں ترجمہ کے فن نے ایک بہتر منظّم سرگرمی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ مامون نے بغداد میں ''بیت الحکمۃ'' کی بنیاد ڈالی، جہاں علماء کام کرتے تھے اور اسے لائبریری کے ساتھ ساتھ ایک علمی ادارہ کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ ارسطو کی کتابیں ''اقلیدس کے عناصر'' (Elements of Euclid) اور بطلیموس (Ptolemy) کی ''المجسطی'' (Almagest) عربی علماء کی توجہ کا مرکز تھیں۔ نیز، اسی عہد میں علم ہیئت (Astronomy) ریاضیات اور طب سے متعلق ہندوستانی کام کو بھی عربی میں منتقل کیا گیا۔ یہ کتابیں یوروپ پہنچی اور سائنس و فلسفہ کی طرف واضح رغبت کو تیز تر کر دیا۔

سرگرمی 3

اس پیراگراف پر تبصرہ کیجیے کہ کیا آج کے طالب علم کے لئے بھی یہ موزوں ہے؟

مثالی طالب علم

عبداللطیف، بارہویں صدی میں بغداد کا ایک طب اور قانون کا عالم اپنے مثالی طالب علم کے بارے میں بیان کرتا ہے:

میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ تم سائنس کو غیر مفید کتابوں سے حاصل نہ کرو۔ اگر چہ تم کو اس کے سمجھنے کے بارے میں اپنی صلاحیت پر پورا بھروسہ ہو۔ ہر وہ سائنس جن کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو اس کو اس کے استاد کی طرف رجوع کرو اگر تمہارا استاد اپنے علم میں محدود ہو تو اس سے اس وقت تک وہ تمام معلومات حاصل کرتے رہو جس کو وہ دے سکتا ہو جب تک کہ تمہیں اس سے باکمال استاد نہیں مل جاتا۔ تمہیں اس کی عزت و احترام کرنا چاہئے۔ جب تم ایک کتاب پڑھو تو تمہاری کوشش ہونی چاہئے کہ تم اس کو زبانی یاد کر لو اور اس کے معنی کو پورے طور پر سیکھ لو۔ تم یہ تصور کرو کہ وہ کتاب غائب ہوگئی ہے اور وہ تم کو دوبارہ نہیں ملے گی تو تم کو اس کے ضائع ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہر ایک کو تواریخ، سوانح حیات اور قوموں کے تجربات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ اور اس طرح وہ اپنی مختصر سی زندگی میں ایسا محسوس کرے گا گویا کہ وہ ماضی کے لوگوں کے ساتھ زندگی گزار رہا ہو اور ان کے ساتھ اس کے گہرے تعلقات ہیں۔ اس طرح ان کی اچھائیوں اور برائیوں کو جان لو۔ تمہیں اپنے اخلاق و کردار کو پہلے کے مسلمانوں کی طرح نمونہ بنانا چاہئے۔ اس لئے تم کو رسولؐ کی سیرت پڑھنی چاہئے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے۔ تمہیں اپنی طبیعت پر اچھی رائے رکھنے کے بجائے اس پر غیر مطمئن ہونا چاہئے۔ تمہیں اپنی فکر تعلیم یافتہ لوگوں اور ان کی تخلیقات پر مرکوز کرنی چاہئے اور جلد بازی سے بچتے ہوئے احتیاط سے آگے بڑھنا چاہئے۔ جس نے مطالعہ کی تکلیف کو نہیں اٹھایا وہ علم کی لذت سے لطف اندوز نہیں ہو پائے گا۔ اپنے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد اللہ کے نام کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور اس کی بڑائی بیان کرو۔ تم پر کوئی بڑی مصیبت آئے تو تم شکایت نہ کرو۔ جان لو کہ علم کبھی ختم نہیں ہوتا۔ ایک نشانی اور خوشبو چھوڑ جاتا ہے۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ صاحب علم ہے اور اس پر روشنی کی ایک کرن چمکتی ہے جو اس کے علم کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

۔احمد ابن القاسم ابن اصیبیہ ۔عیون العنب

© NCERT not to be republished

نئے موضوعات کے مطالعہ نے تنقیدی جانکاری کو ترقی دی اور اسلامی دانشورانہ زندگی پر گہرا اثر ڈالا۔ مذہبی علماء نے غور وفکر کیا۔مثلاً وہ جماعت جومعتزلہ کے نام سے جانی جاتی ہے، نے اسلامی عقائد کے دفاع میں یونانی منطق اور علم کلام کا استعمال کیا۔فلاسفہ نے لمبے چوڑے سوالات کئے اوران کے نئے جوابات دئے۔ابن سینا(1037-980) ایک پیشہ ورطبیب اورفلسفی کا قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جانے پرایمان نہ تھا۔اس کی ماہر دینیات نے زبردست مخالفت کی۔ ابن سینا کی طبی تصانیف کو بڑے پیمانے پر پڑھا گیا۔اس کی سب سے زیادہ بااثر کتاب ''القانون فی الطب'' (ادویات کا قانون) ہے۔ یہ ایک ملین الفاظ کا مسودہ ہےجس کے اندر 760 ادویات کا تذکرہ ہےجن کواس کے ہم عصر دواساز فروخت کرتے تھے۔ساتھ ہی ساتھ اس کتاب میں اس کے اپنے تجربات کا تذکرہ ہےجس کواس نے اسپتال (بیمارستان) میں انجام دیا تھا۔ یہ کتاب قانون،علم الغذا (غذائی ضابطوں کے ذریعہ علاج) کی اہمیت، آب و ہوا اور ماحول کاصحت پراثر اوربعض بیماریوں کی وبائی نوعیت کی توضیح کرتی ہے۔القانون کو یوروپ میں درسی نصاب میں شامل کیا گیا جہاں اس کتاب کا مصنف بوعلی سینا(Avicenna) (اویسینا) کے نام سے جانا جاتا ہے (ملاحظہ ہو باب 7)۔ یہ کہا جاتا ہے کہ سائنسداں اورشاعرعمرخیام اپنی موت سےٹھیک پہلے یہ کتاب پڑھ رہا تھااس کی سونے کی خلال الٰہیات کے باب کےصفحات کے درمیان پائی گئی۔

عہدوسطیٰ کے اسلامی سماج میں ایک انسان کے اندراچھی زبان اورتخلیقی تصورسب سے زیادہ قابل تعریف خوبیاں تھیں۔ یہ خوبیاں ایک انسان کے مراسلے کوادب کی سطح تک پہنچاتی تھیں۔ادب ایک اصطلاح تھی جس کولفظی اورثقافتی شائستگی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ادب اظہار و بیان کا وسیلہ ہےجس میں شاعری (نظم یا قرینے سے انتظام) اور نثر (منتشر الفاظ) شامل ہیں۔جس کا مطلب ضرورت کےتحت یادکرنا اوراستعمال کرنا ہوتا تھا۔اوراسلام سے پہلے کی سب سےمشہورشعری صنف قصیدہ تھا جس کوعباسی عہد کےشعراء نے ترقی دی اوراس میں اپنے سرپرستوں کی کامیابی کی ستائش کی ہے۔ فارسی النسل شعراء نے عربی شاعری کو دوبارہ زندہ کیا اورعربوں کی ثقافتی برتری کو چنوتی دی۔ابو نواس (متوفی 815) جوکہ فارسی النسل تھا، نے کلاسیکی شاعری کواسلام کی حرام کردہ لذتوں سےلطف اندوزی کی غرض سے نئے مضمون مثلاً شراب اورامرد پرستی، وضع کئے۔ابونواس کے بعد شاعروں نے اپنے جذبات کا اظہار مذکر کے طور پرکیا۔اگرچہ موخرالذکرعورت ہی کیوں نہ ہو۔اسی روایت کی پیروی کرتے ہوئےصوفیوں نے اس نشہ کی ستائش کی جونشہ روحانی محبت کی شراب سے ہوتا ہے۔

جس وقت عربوں نے ایران کو فتح کیا اس وقت پہلوی، قدیم ایران کی مقدس کتابوں کی زبان، زوال پذیرتھی۔ پہلوی کی ایک شکل جدید فارسی کے نام سے جانی جاتی ہے۔اس میں عربی کے کافی الفاظ پائے جاتے ہیں، نے جلد ترقی کی۔خراسان اور ماوراالنہر (Transoxiana) میں سلطنتوں کے قیام کے بعد جدید فارسی ثقافت اونچائیوں پر پہنچ گئی۔ساسانی درباری شاعر رودکی (متوفی 940) کو بابائے جدید فارسی شاعری' مانا جاتا ہے۔جدید فارسی شاعری میں نئی قسم کی شاعری مثلاً غزل اور رباعی شامل تھے۔رباعی معروف یہ رباعیات، چارمصرعوں کا بند ہےجس میں پہلے کے دومصرعہ تمہید ہوتے ہیں۔تیسرے مصرعہ میں سلیقے سے توازن قائم رکھا جاتا ہے اور چوتھا مصرعہ اصل بات کوظاہر کرتا ہے۔اس کی وضع کے برخلاف رباعی کے موضوع کی کوئی حدنہیں ہے۔اس کا استعمال محبوب کی خوبصورتی کو بیان کرنے اور سرپرست کی مدح سرائی کرنے یا فلسفیوں کے خیالات کو بیان کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔رباعی عمرخیام

© NCERT not to be republished

تیرھویں صدی کا ایک عربی قلمی نسخہ جس میں دمنہ (گیدڑ) کو شیر (اسد) سے بات کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے ۔

(1048-1131) کے ہاتھوں منتہائے کمال کو پہنچ گئی۔ عمر خیام ایک ماہر فلکیات اور ریاضی داں تھا جو زیادہ تر بخارا، سمرقند اور اصفہان میں رہا۔

گیارہویں صدی کی ابتداء میں غزنی فارسی ادبی زندگی کا مرکز بن گیا۔ شعراء فطری طور پر شاہی دربار کی آب و تاب کی جانب کھنچے چلے گئے۔ حکمرانوں نے بھی اپنے وقار کو بڑھانے کے لیے علم وفن کی سرپرستی کی اہمیت کو محسوس کیا۔ محمود غزنوی نے شاعروں کی ایک جماعت اپنے گرد جمع کی جنھوں نے دیوان اور مثنویاں تحریر کیں۔ سب سے ممتاز شاعر فردوسی (متوفی 1020) تھا جس نے شاہنامہ (بادشاہوں کی کتاب) کو لکھنے میں 30 سال لگائے۔ اس میں رزمیہ شاعری کے 50,000 اشعار ہیں اور جو اسلامی ادب کا شاہکار بن گیا ہے۔ شاہنامہ روایات اور داستانوں کا مجموعہ ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور رستم کی داستان ہے جس میں ایران کو اس کے وجود میں آنے سے لے کر عرب کی فتح تک شاعرانہ انداز میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ غزنوی روایات کی مناسبت کے ساتھ آگے چل کر فارسی ہندوستان میں انتظامی اور ثقافتی زبان بن گئی۔

بغداد کے کتب فروش ابن ندیم (متوفی 895) کی کتاب فہرست (کتاب الفہرست) بیان کرتی ہے کہ اخلاقی تعلیم اور قاری کی تفریح کے لیے بہت سا نثری کام ہوا اور ان میں سب سے قدیم جانوروں کی حکایات کا مجموعہ ہے جو کہ 'کلیلہ و دمنہ' (دو گیدڑوں کے نام جو کہ اس کتاب کے اہم کردار ہیں) کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اور جو ''پنچ تنتر'' کا پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ ہے۔ اور سب سے مشہور اور آخری ادبی کاموں میں جانباز ہیرو سکندر (الاسکندر) اور سندباد یا ان غمگین عاشقوں مثلاً قیس (جو کہ مجنوں اور پاگل کے طور پر جانا جاتا ہے) کی کہانیاں تھیں۔ یہ کہانیاں صدیوں تک زبانی اور تحریری شکل میں ترقی کرتی گئیں۔ الف لیلیٰ ایک دوسری کہانیوں کا مجموعہ ہے جس کو ایک اکیلی قصہ گو شہرزاد نے اپنے شوہر کو یکے بعد دیگرے راتوں کو سنایا۔ اس کا مجموعہ اصلاً ہند۔فارسی میں تھا اور آٹھویں صدی میں بغداد میں اس کا ترجمہ عربی میں ہوا۔ آگے چل کر مملوک عہد کے دوران قاہرہ میں اس کے اندر بہت ساری کہانیوں کا اضافہ کیا گیا۔ یہ کہانیاں مختلف طرح کے لوگوں جیسے سخی، بے وقوف، سادہ لوح اور عیار لوگوں کی تصویرکشی کرتی ہیں۔ ان کہانیوں کو تعلیم دینے اور تفریح طبع کے لیے بیان کیا گیا۔ بصرہ کے جاحظ (متوفی 868) اپنی کتاب ''کتاب البخلاء'' (بخیلوں کی کتاب) میں بخیلوں کے متعلق تفریحی قصوں کو جمع کیا اور ساتھ ہی ساتھ لالچی لوگوں کا تجزیہ بھی کیا۔

نویں صدی کے بعد ادب کا دائرہ وسیع ہوگیا جس میں سوانح حیات، اخلاقی رسائل، شہزادوں کے آئینے (آئین جہانبانی) مزید برآں تاریخ اور جغرافیہ بھی شامل ہوگئے۔ تعلیم یافتہ مسلم سماج کے اندر تاریخ لکھنے کا رواج قائم ہوا۔ علماء، طلبہ اور تعلیم یافتہ عوام تاریخی کتابیں پڑھتے تھے۔ تاریخ حکمرانوں اور عہدہ داروں کے اچھے کارناموں کی مدح سرائی، سلسلۂ سلاطین کی کامیابیاں اور ساتھ ہی ساتھ انتظامی تکنیک کی مثالیں مہیا کراتی تھیں۔ دو بڑے تاریخی کاموں میں بلاذری (Baladuri) (متوفی 892) کی 'انساب الاشراف' (امراء کے نسب نامے) اور طبری (متوفی 923)

© NCERT not to be republished

کی 'تاریخ الرسل والملوک' (رسولوں اور بادشاہوں کی تاریخ) ہیں جن میں اسلامی عہد کے ساتھ پوری انسانی تاریخ کی واضح تصویر کشی کی گئی ہے۔ خلافت کی تقسیم کے ساتھ ہی مقامی تاریخ لکھنے کی روایت نے ترقی کی۔ فارسی میں سلسلۂ سلاطین، شہروں یا علاقوں کے متعلق کتابیں لکھی گئیں تاکہ عالم اسلام کی رنگارنگی اور وحدت کا گہرا مطالعہ کیا جا سکے۔

جغرافیہ اور سفرنامہ (رحلۃ) نے ادب کی ایک خاص صنف کو مرتب کیا۔ اس میں تاجروں اور سیاحوں کے مشاہدات کے ساتھ یونانی، ایرانی اور ہندوستانی کتابوں کی معلومات کو یکجا کر دیا گیا۔ ریاضیات کے متعلق جغرافیہ میں بودوباش والی دنیا ہمارے تین براعظم کے مماثل خط استواء سے متوازی اقالیم (واحد اقلیم) میں تقسیم کی گئی تھی۔ ہر شہر کے اصل مقام کو فلکیاتی اعتبار سے متعین کیا گیا۔ مقدسی (متوفی 1000) کی بیانیہ جغرافیہ کی کتاب 'احسن التقاسیم' (بہترین تقاسیم) دنیا کے لوگوں اور ملکوں کا ایک تقابلی مطالعہ ہے اور بیرونی تجسس کا ایک دفینہ ہے۔ مسعودی کی کتاب 'مروج الذہب' (سنہرے سبزہ زار) جو کہ 943 میں لکھی گئی، جغرافیہ اور عام تاریخ دونوں پر مشتمل ہے۔ اور جو دنیاوی ثقافت کی تمام اقسام کو تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ البیرونی کی مشہور کتاب 'تحقیق مالی الھند' (تاریخ ہند)، گیارہویں صدی کے کسی بھی مسلم مصنف کی عظیم کاوش تھی جس میں عالم اسلام سے آگے کی دنیا کو دیکھا گیا اور دوسری ثقافتی روایات کی اہمیت کا مشاہدہ کیا گیا۔

دسویں صدی تک ایک اسلامی دنیا رونما ہو چکی تھی جس کو سیاحوں نے آسانی سے تسلیم کر لیا گیا۔ مذہبی عمارات اس دنیا کی عظیم خارجی نشانیاں تھیں۔ اسپین سے وسط ایشیا تک مسجدیں، خانقاہیں اور مقبرے، ایک طرح کی بنیادی نقش و نگار، محراب گنبد، مینار یں اور کھلے صحن پھیلے بڑے تھے۔ پہلی اسلامی صدی میں مسجد نے ایک ممتاز تعمیراتی وضع حاصل کر لی۔ (کھمبوں کے سہارے بنی چھتیں) جس نے انسانی تجربے و مہارت کے علاقائی تفسیر کو واضح کیا۔ مسجد میں ایک کھلا صحن ہوتا جہاں ایک فوارہ یا حوض ہوتا اور وہاں سے کچھ دوری پر ایک قوسی چھت والا (مسلسل محراب دار) (Vaulted Hall) ہال ہوتا جہاں نماز پڑھنے والوں کی لمبی قطار (صف) اور امام مجتمع ہو سکتے تھے۔ ہال کے اندر دو مخصوص خصوصیات پائی جاتیں۔ ایک تو دیوار کے اندر محراب جو کہ مکہ کی سمت (قبلہ) کی طرف اشارہ کرتی ہے اور دوسری منبر جہاں جمعہ کی نماز میں خطبہ دیا جاتا ہے۔ عمارت سے منسلک مینار ہوتا ہے جس کو مقررہ اوقات میں ایمان والوں کو نمازوں کی طرف بلانے اور نئے مذہب کی موجودگی کی علامت کے بطور استعمال کیا جاتا ہے۔ روزانہ کی پانچ وقت کی نمازوں اور ہفتہ واری خطبوں کا ٹائم ٹیبل شہروں اور گاؤں میں لگے رہتے۔

بالکل اسی طرز پر مبنی عمارتیں جو صحن (ایوان) کے ارد گرد بنائی گئیں نہ صرف مسجدوں اور مقبروں میں بلکہ کارواں سرائیوں، اسپتالوں اور شاہی محلوں میں بھی بنائی گئیں۔ امویوں نے نخلستانوں میں صحرائی محل بنائے جیسے فلسطین میں خربت المفجر

فلسطین کے خِربت المفجر میں آٹھویں صدی کے ایک محل کے حمام کا پچی کاری کیا گیا فرش۔ تصور کیجیے کہ خلیفہ درخت پر براجمان ہے: نیچے کا منظر جنگ اور امن کو ظاہر کر رہا ہے۔

(Khirbat al-Mafjar) اور اردن میں قصیر آمرا (Qusayr Amra) جو کہ عیش وعشرت کی رہائش گاہ کی طرح تھیں اور شکار وعیش پرستی کے ٹھکانے کا کام دیتی تھیں۔ وہ شاہی محل جو کہ روم اور ساسانی تعمیرات کے نمونے کے طور پر بنائے گئے تھے ان لوگوں کی تصاویر، سنگ تراشی اور پچی کاری کے ساتھ فراخدلی سے سجایا گیا تھا۔ عباسیوں نے سمارا میں باغوں اور بہتے پانی کے بیچ میں ایک شہنشاہی شہر تعمیر کیا جس کا تذکرہ ان کہانیوں اور روایات میں ملتا ہے جو ہارون رشید سے متعلق ہیں۔ بغداد میں عباسی خلفاء کے شاہی محل یا قاہرہ میں فاطمیوں کے محل تمام کے تمام غائب ہو گئے اور صرف کتابوں میں ہی ان کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔

جانداروں کی تصویر کشی کی ممانعت کی وجہ سے اسلام نے دو طرح کے مذہبی آرٹ کو فروغ دیا۔ ان میں ایک خوش نویسی (خطاطی یا خوش خط کا) اور دوسرا اطغرائی گلکاری (جیومیٹرک اور نباتاتی نقش نگاری) چھوٹے اور بڑے نقش جس میں عام طور سے مذہبی اقتباسات ہوتے ہیں، عمارات کو سجانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ خطاطی کے فن کے بہترین نمونے آٹھویں اور نویں صدی کے دوران قرآن کے مسودہ میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ادبی کام مثلاً 'کتاب الانمانی' (گانوں کی کتاب)، 'کلیلہ و دمنہ' اور 'مقامات حریری' کو چھوٹی تصاویر (Miniature Paintings) سے مزین کیا گیا۔ اسی کے ساتھ کتاب کی خوبصورتی بڑھانے کے لیے طلاء کاری (Illumination) کی تکنیک کی بہت ساری اقسام رائج کی گئیں۔ عمارات اور کتابوں کی تزین کاری کے لیے پیڑ پودوں کے ڈیزائن جو باغ کے تصور پر مبنی تھے، کا استعمال کیا گیا۔

مرکزی اسلامی ممالک کی تاریخ انسانی تہذیب کے بہت اہم عناصر، مذہب، قوم اور سیاست کا احاطہ کرتی ہے۔ ساتویں صدی میں یہ زندگی کے تین اہم دائرے نمودار ہوئے جن کو ہم ایک دوسرے میں مدغم ہوتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ بعد کی پانچ صدیوں میں یہ دائرے الگ ہو گئے۔ ہمارے دور کے اختتام تک ریاست اور حکومت پر اسلام کے اثرات نہ کے برابر رہ گئے اور سیاست میں بہت سی چیزیں شامل ہو گئیں۔ (بادشاہت، خانہ جنگی وغیرہ) جن پر مذہب کوئی پابندی نہیں لگا پایا۔ مذہب اور قوم کے دائرے ایک دوسرے کو گھیرے ہوئے تھے۔ مسلم قوم شرعی امور ادا کرنے اور ذاتی معاملات میں متحد تھی۔ مسلم قوم اپنے مذہب کی شناخت (سیاست ایک الگ دائرہ تھی) کے سلسلے میں کسی کے تابع نہیں تھی۔ مسلم قوم کی دنیاوی ترقی (Progressive Secularisation) کے لیے مذہب اور قوم کے دائروں کا الگ ہونا ہی ایک واحد صورت تھی۔ فلسفیوں اور صوفیاء نے بھی اس امر کی وکالت کی اور مشورہ دیا کہ سماج کو آزاد بنانا ہی ہوگا اور مذہبی رسوم کو ذاتی روحانی عقیدے کے مطابق ڈھالا جانا چاہئے۔

اسلامی آرائش تخلیقی قوت محفوظ دھات کے بہترین نمونوں میں پوری طرح دیکھنے کو ملتی ہے۔ چودھویں صدی کا یہ مسجد کا چراغ جو شام میں پایا گیا ہے اس کے اوپر نور سے متعلق قرآنی آیات کندہ ہیں۔

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق جیسی ہے جس میں ایک چراغ رکھا ہے اور وہ چراغ شیشے کی قندیل میں ہو اور وہ چمکتے ہوئے ستارے کی طرح ہو اور وہ چراغ ایک بابرکت زیتون کے درخت کے تیل سے جلایا جاتا ہو۔ جو درخت نہ مشرقی ہو نہ مغربی۔ جس کا تیل ہمیشہ روشنی دیتا ہو اگرچہ اس میں آگ نہ لگی ہو۔"

(القرآن: سورہ 24، آیت 35)

سرگرمی 4

اس باب میں دی گئی تصاویر میں سے آپ کو کون سی سب سے زیادہ پسند ہے اور کیوں؟

© NCERT not to be republished

595	حضرت محمدؐ نے مکہ کی ایک تاجر عورت حضرت خدیجہؓ سے شادی کی جنھوں نے بعد میں اسلام کی مدد کی
610-612	حضرت محمدؐ پر پہلی وحی کا نزول؛ اسلام کی پہلی عوامی تبلیغ (612)
621	مدینہ کے نومسلموں کے ساتھ عقبہ میں پہلا معاہدہ
622	مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت۔ مدینہ کے عربی قبائل (انصار) نے مدینہ کے مہاجرین کو پناہ دی
632-61	ابتدائی خلافت۔ شام، عراق، ایران اور مصر کی فتح؛ خانہ جنگی
661-750	اموی دورِ حکومت؛ دمشق دارالخلافہ قرار پایا
750-945	عباسی دورِ حکومت؛ بغداد دارالخلافہ بنا
945	بویہ کی بغداد پر فتح؛ ادبی و ثقافتی عروج
1063-92	نظام الملک کی حکمرانی، طاقتور سلجوقی وزیر جس نے نظامیہ مدارس کا ایک سلسلہ قائم کیا اس کو حشیشین (Assassins) نے قتل کیا
1095-12921	صلیبی جنگیں؛ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین روابط
1111	غزالی کا انتقال، ذی اثر ایرانی عالم جس نے مذہبی عقلیت کی مخالفت کی
1258	منگولوں کی بغداد پر فتح

© NCERT not to be republished

مشق

مختصر جواب دیں

1۔ ابتدائی ساتویں صدی میں بدوؤں کی زندگی کی کیا خصوصیات تھیں؟
2۔ 'عباسی انقلاب' اصطلاح کے کیا معنی ہیں؟
3۔ عربوں، ایرانیوں اور ترکوں کے ذریعہ قائم وسیع المشرب کردار کی ریاستوں کی مثالیں پیش کیجیے۔
4۔ صلیبی جنگوں کے یوروپ اور ایشیا پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟

مختصر مضمون لکھیے

5۔ کس طرح اسلامی فنِ تعمیر رومی سلطنت کے فنِ تعمیر کی ہیئت سے مختلف ہے؟